دیوان حضرت مشرقی منیری

ڈاکٹر ابو عبیدہ ابدالی

دیوان حضرت مشرقی منیری

ڈاکٹر ابوعبیدہ ابدالی
شعبۂ اردو
ٹی۔ این۔ بی۔ کالج، بھاگلپور

اس کتاب کی اشاعت میں بہار اُردو اکادمی کا جزوی مالی تعاون شامل ہے

تعداد اشاعت: ایک ہزار
سنۂ اشاعت: اگست ۱۹۸۵ء
کتابت: نثار احمد
مطبع:۔۔۔۔ دی آرٹ پریس، سلطان گنج، پٹنہ ۶
ناشر:۔۔۔ مکتبہ صوفیار خانقاہ اسلام پور، ضلع نالندہ (بہار)

قیمت:۔۔۔ ۲۵ پچیس روپے

Rs. 25=00

ملنے کے پتے:۔

۱۔ کتاب منزل، تاتار پور، بھاگلپور ۲
۲۔ مکتبہ صوفیار خانقاہ اسلام پور، ضلع نالندہ (بہار)
۳۔ بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ ۸۰۰۰۰۴

انتساب

والد مرحوم و مغفور حضرت سیّد شاہ محمد ایّوب ابدالی رحمۃ اللہ علیہ

کے

نام

(ڈاکٹر) ابو عبیدہ ابدالی

فہرست

پیش گفتار

کلاسیکی اُردو شعراء میں حضرت مشرقی منیری ایک امتیازی ادبی منصب کے مالک ہیں لیکن کچھ تو اپنی متصوفانہ ربودگی کی بنا پر اور کچھ امتدادِ زمانہ کے سبب وہ عام ادبی دنیا میں تقریباً اجنبی کی حیثیت رکھتے ہیں مگر اُن کی حُسن کارانہ قدر و قیمت مسلّم ہے۔ اُردو شاعری کی روایت کے استحکام و ارتقا میں انھوں نے بقدرِ ذوق و ظرف نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ان کا تعلق ریاستِ بہار کے ایک تاریخی اور تہذیبی مرکز قصبہ منیر شریف سے رہا ہے جس نے اُردو زبان و ادب کی خدمت کی ایک دیرینہ روایت قائم کی ہے۔ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری سے حضرت مشرقی منیری تک منیر شریف کے فن کاروں کی ایک مستقل اور مسلسل جمالیاتی روایت ملتی ہے۔ یہاں سے متعلق تاریخ ادب اُردو کی بعض گُم شدہ کڑیاں ہنوز محققین و ناقدین کی محتاج توجہ ہیں۔

میں نے حضرت مشرقی منیری کی گراں قدر ادبی خدمات کے پیشِ نظر ان کے حالاتِ زندگی اور کارناموں کی تحقیق و جستجو کو اپنے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کا موضوع بنایا۔ اس انتخاب موضوع کو استاذی ڈاکٹر سیّد محمد حسنین سابق پروفیسر و صدر شعبۂ اُردو

مگدھ یونیورسیٹی نے بھی بہ نظرِ تحسین دیکھا اور میری ہر طرح سے ہمت افزائی فرمائی۔ برادر محترم ڈاکٹر محمد طیّب ابدالی، موجودہ صدر شعبۂ اُردو و فارسی مگدھ یونیورسیٹی، نے بھی میرے انتخاب موضوع کی تائید و توثیق کی۔ میں نے جب حضرت مشرقی منیری کے حالات و کلام کی تلاش و تحقیق کا آغاز کیا تو اندازہ ہوا کہ انقلاب زمانہ نے ان کے کلام کے ساتھ ساتھ ان کے حالات زندگی کو بھی بڑی حد تک پردۂ خفا میں ڈال رکھا ہے ـــ اور اس طرح میرے لئے آزمائشوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا ـــ لیکن عم گرامی قدر محمد عثمان رخشاں ابدالی، عم محترم سید شاہ مراد اللہ منیری، برادرِ محترم ڈاکٹر سید شاہ علی ابدالی اور سیّد محمد مصطفےٰ ابدالی شاکر کی وساطت سے مجھے حضرت مشرقی منیری کے حالات و کلام کی بازیافت میں بڑی مدد ملی۔ اُن کے موجودہ کلیات اُردو و فارسی کے علاوہ ان کی بعض نایاب تخلیقات بھی مجھے دستیاب ہوئیں اور مختلف رسائل و جراید تک ان ہی حضرات نے میری رہنمائی فرمائی جس کے نتیجہ میں حضرت مشرقی منیری کا ایک وقیع سرمایۂ سخن دستیاب ہوسکا اور ان کی کتاب زندگی کے بعض گم شدہ اوراق بھی سامنے آئے جن کی ترتیب و تدوین اور تجزیہ و تحلیل سے ان کے حالات زندگی پر مشتمل ایک جامع خاکہ تیار کیا جا سکا اور ان کا ایک مستند انتخابِ کلام بھی ممکن ہوسکا۔ یہاں تک کہ میں نے مشرقی منیری کے انتخابِ کلام کے ساتھ ایک تحقیقی مقالہ شامل کرکے مگدھ یونیورسیٹی میں پیش کیا جس پر مجھے یونیورسیٹی نے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری تفویض کی جس کے لئے میں بہ طور خاص مذکورہ بالا

حضرات کا ممنون و مشکور ہوں۔

کچھ دنوں بعد میں نے کلیاتِ مشرقی منیری سے غزلوں کے حصہ کو الگ کیا اور مختلف ذرائع سے حاصل شدہ غزلوں کو یکجا کرکے ان کی غزلوں پر مشتمل ایک مفصل اور مبسوط مقالہ لکھنے کا عزم کیا۔ حضرت مشرقی منیری نے فارسی و اردو کی مختلف صنفوں میں طبع آزمائی کی تھی۔ ابتداءً انھوں نے محوؔ تخلص اختیار کیا تھا، پھر صافیؔ اور پھر معنیؔ لیکن بعد میں مشرقیؔ منیری کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ ان تمام پہلوؤں پر میں نے مقدمہ میں صراحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور مختلف اصناف پر مشتمل ان کے کلام کا ذکر کرتے ہوئے ان کی غزل گوئی کی جمالیاتی قدروں کے تعین کی کوشش کی ہے۔ اس لئے کہ ان کی تخلیقی شخصیت کا بے ساختہ اظہار صنفِ غزل میں ہوا ہے۔

بہار اُردو اکادمی نے تاریخ ادب اُردو کی گم شدہ کڑیوں کے سراغ کو بھی اپنا نصب العین بنایا ہے اور اس سلسلے میں کئی مثبت قدم اٹھائے ہیں۔ چناں چہ میں نے اس کتاب کی اشاعت کے لئے بہار اُردو اکادمی سے رجوع کیا تو اکادمی نے ازراہِ کرم مجھے مالی تعاون سے نوازا اور اس کتاب کی اشاعت کے لئے ایک خطیر رقم منظور کی۔ اکادمی کی اجازت کے بعد میں نے اس مقالہ کی نظرثانی کی۔ اس سلسلے میں برادرِ محترم ڈاکٹر محمد طیّب ابدالی صدر شعبۂ اُردو و فارسی مگدھ یونیورسٹی اور گرامی قدر ڈاکٹر لطف الرحمٰن ریڈر شعبۂ اُردو بھاگل پور یونیورسٹی کی شفقتِ بے پایاں اور خلوص فراواں نے قدم قدم پہ میری رہبری کی ہے اور ہر ممکن تعاون سے میری مشکلوں کو آسان بنایا ہے۔ ان ہی حضرات کا

فیض ہے کہ آج میں آپ کے سامنے اپنی یہ کاوشِ حقیر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

گرامی قدر و محترم ڈاکٹر شمیم احمد پروفیسر و صدر شعبۂ اردو بھاگلپور یونیورسٹی اور گرامی قدر ڈاکٹر سید مظفر اقبال ریڈر بھاگلپور یونیورسٹی کا سراپا احسان مند ہوں کہ انھوں نے نہ صرف مجھے نیک مشوروں سے نوازا بلکہ ہر قدم پر میری رہبری کی ـــــــ اس سلسلے میں بار بار نوکِ قلم پر برادرِ عزیز سید کلیم الدین احمد کا نام مچل رہا ہے جنھوں نے دیوان مشرقی منیری کی نقل نویسی میں اپنا قیمتی وقت صرف کیا اور جن کے تعاون سے یہ مرحلہ بحسن و خوبی انجام پایا۔ برادرِ محترم سید انیس الرحمٰن اور سید انوار الرحمٰن کا مشکور و ممنون ہوں جنھوں نے بڑے خلوص کے ساتھ اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ میں نثار احمد صاحب کا بھی ممنون ہوں کہ انھوں نے دیوان مشرقی منیری کی دیدہ زیب کتابت کے لئے اپنی فنّی کاوش کی۔ آخر میں ان تمام اساتذہ اور احباب کا بھی شکریہ ادا کر رہا ہوں جو اس مقالہ کی ترتیب و تدوین اور تحقیق و تنقید میں ممد و معاون ثابت ہوئے ہیں۔

اب کہ یہ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے، میں آپ کی گراں قدر رائے کا محتاج و منتظر ہوں۔

احقر:-

ابو عبیدہ ابدالی

۲۵ جولائی ۱۹۸۵ء

منیر شریف ــــ ایک تعارف

جغرافیائی اور تہذیبی تعارف: ہندوستان میں پچھلی صدی تک ہنگامہ آفریں شہروں کے شور و شغف سے دور دراز علاقوں میں آباد پرسکون قصبے اور خاموش قریے بھی بالعموم تہذیبی مراکز کی حیثیت رکھتے تھے۔ انیسویں صدی کے اواخر تک ملک کے مختلف اور متعدد ایسے قصبے اپنی مردم خیزی اور تہذیبی خصائص کے لحاظ سے قابل رشک اور سرمایہ افتخار سمجھے جاتے تھے۔ ایسا ہی مردم خیز اور ثقافتی مرکزیت کا حامل ایک قصبہ منیر شریف بھی ہے جو صوبہ بہار کے دارالسلطنت پٹنہ کا ایک قدیم تہذیبی مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے آغاز ہی سے علماء، فضلاء، مشائخ اور صوفیا کا گہوارۂ خاص رہا ہے۔ مسلمانوں کی آمد کے قبل یہ قصبہ دیرینہ ہندوستانی تہذیب کے نمائندہ راجاؤں کا عرصۂ تگ و تازرہ چکا تھا۔

منیر شریف کی تاریخ گذشتہ شاہد ہے کہ یہ مقدس سرزمین ہمیشہ سے بہار ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان کی قابل قدر تہذیبی شناخت رہی ہے۔ رشیوں، منیوں، اونار ود، اور صوفیوں کی یہ مقدس بارگاہ دنیا کی تہذیبی تاریخ میں ناقابل فراموش عظمت و اہمیت رکھتی ہے۔ ہندوستان کی کوئی سیاسی، سماجی، تہذیبی اور ادبی تاریخ ایسی نہیں جو اس خطۂ مقدس کو نظر انداز کر سکے۔ اس ثقافتی مصدر و مرکز یعنی قصبہ منیر شریف کی گذشتہ عظمت و اہمیت کے سلسلہ میں درج ذیل مشہور و معروف تاریخیں بطور مثال سامنے رکھی جا سکتی ہیں۔ وسیلۂ شرف، طبقات ناصری، آثار منیر شریف، مناقب الاصفیاء، تذکرۂ صادقہ، تاریخ مگدھ، علی گڑھ تاریخ ادب اردو، بہار پاسٹ اینڈ پریزنٹ، گلوریز آف بہار، بہار تھرو ایجز، تاریخ فرشتہ اور پٹنہ ڈسٹرکٹ گزیٹر وغیرہ۔

یہ تاریخی قصبہ عظیم آباد پٹنہ سے بیس میل مغرب میں واقع ہے۔ پٹنہ شاہ آباد نیشنل ہائی وے، اس سرزمین مقدس کو قدمبوس کرتے ہوئے گذرتی ہے۔ اس کے اتر میں دریائے سون اور دریائے گنگا کا سنگم واقع ہے۔ "آثار شرف" کا مصنف منیر شریف کی تاریخ یوں بیان کرتا ہے ۔ ترجمہ :۔

"حضرت نوح کے تین لڑکے سام، حسام و یافس تھے۔ سام کے چالیس بیٹوں میں سے ایک کشن نامی تھا جس کی سب سے بڑی اولاد مہاراج نامی تھی۔ مہاراج فریدوں کا ہم عصر تھا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا کیشوراج تخت نشین ہوا۔ ۲۲ سال کے بعد اس کا بڑا لڑکا فیروز رائے تاج و تخت کا وارث بنا۔ منیر اسی کے زمانے میں آباد ہوا[1]۔"

اس کی مزید تائید حضرت فرزند علی صوفی منیری کی تصنیف "وسیلہ شرف" سے بھی ہوتی ہے جس کی درج ذیل عبارت سند کی حیثیت رکھتی ہے۔

"صاحب تاریخ فرشتہ ذکر حکومت فیروز رائے ولد کیشوراج ولد مہاراج ولد کشن ولد پورب ولد ہند ابن سام ابن نوح علیہ السلام میں لکھتے ہیں کہ بلدۂ منیر اس کے زمانے میں بنا"[2]۔

ان عبارتوں سے ثابت ہے کہ قصبہ منیر ہندوستان کا ایک قدیم تہذیبی و تاریخی مرکز رہا ہے۔ جس کے مزید ثبوت منیر کے قدیم قلعہ کے آثار بھی ہیں جن میں سلطنت موریہ اور عہد شنگ کی بڑی بڑی اینٹیں آج بھی جا بجا نظر آتی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ دھس کے اوپر اور دھس کے نیچے موریوں کے زمانے کے چمکدار برتنوں کے ٹکڑے جنہیں .N.B.P کہا جاتا ہے پائے جاتے ہیں۔

مورخین منیر سے وابستہ قدیم تاریخی معلومات میں تانبہ کے ایک دان پتر کو مستند حیثیت کا حامل سمجھتے ہیں۔ اس دان پتر کا عرض (۱۱½) ساڑھے گیارہ انچ اور طول ایک فٹ پانچ انچ جس میں چھبیس سطریں کندہ ہیں اس کا متن اور ترجمہ بہار اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی کے جرنل جلد ۲

---

[1] ص۶ مصنفہ سید محمد نور الحسن۔

[2] وسیلہ شرف ص۵۵۔

مطبوعہ سنہ ۱۹۱۶ء میں شائع ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر محمد طیب ابدالی نے اس دان پتر کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"مذکورہ بالا دان پتر کو گوبند چندر دیو نے مورخہ بکرم سنہ ۱۱۸۳ مطابق ۱۱۲۶ء ۱۱ مئی اتوار کو منیر شریف کے ایک برہمن گنیشور سرمن کو عطا کیا تھا۔ گوبند چندر ایک گہڑوال راجہ تھا جس نے ۱۱۱۴ء سے ۱۱۵۵ء تک حکمرانی کی۔ اسی گوبند چندر کے سنسکرت کے دو تام پتر (Copper Plates) گورکھپور کے ایک دیہی علاقہ لار میں بھی پائے گئے ہیں اور ان کا بکرم سمبت سنہ ۱۱۷۱ء کے مطابق ہوتا ہے۔ منیر کے اس دان پتر میں بکرم سمبت سنہ ۱۱۸۳ کندہ ہے جو ۱۱۲۶ء کے مطابق ہے۔ اسے منیر کے ایک برہمن گنیشو سرمن کو گنوے (GUNAVE) اور پڈلی (PADHLI) نام کے دیہات پٹالا منیارا (PATTALA MANYRRA) میں دیا گیا ہے۔ پٹالا غالباً مغلوں کے پرگنہ کا مترادف تھا۔ گہڑوالوں نے بہار کے بیشتر علاقوں کو جس میں مگدھ اور منیر شامل تھے پال اور سین خاندان کے راجاؤں سے چھین کر اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔" [1]

ان تحقیقات سے مترشح ہے کہ منیر شریف زمانہ قدیم سے آریہ گہڑوال راجاؤں اور بہار راجاؤں کی نگاہوں کا مرکز رہا ہے۔ بعض مورخین منیر کے راجاؤں کا تعلق ایرانیوں سے ثابت کرتے ہیں۔ ڈاکٹر خالد رشید صبا لکھتے ہیں:

"راجہ فیروز رائے کے نام سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ منیر کے راجگان کا ایرانیوں سے ضرور تعلق تھا۔" [2]

منیر میں مسلمانوں کی آمد کے سلسلہ میں بعض روایتیں یہاں کے سجادہ نشینوں سے وابستہ

---

[1] جادۂ عرفان ص ۱۵۶

[2] صوفی منیری حیات اور شاعری ص ۳۹

ہیں جو سینہ بہ سینہ ہم تک پہنچی ہیں۔ پہلی بار آثار شرف میں یہ روایت قید تحریر میں آئی ہے جس کا ذکر ڈاکٹر خالد رشید صبا نے اس طرح کیا :

"کتاب آثار شرف میں تذکرہ ملتا ہے کہ شہاب الدین غوری کے امرا سلطنت میں سے ایک شخص جس کا نام حسام الدین بعلبک تھا، برابر منیر اور بہار پر حملہ کیا کرتا تھا لیکن اس وقت تک مسلمان منیر میں آباد نہیں ہوئے تھے۔" ۱؎

لیکن اس سلسلہ میں منیر شریف کے سجادہ نشینوں کا ایک قدیم خاندانی نوشتہ قابل غور ہے جس سے بعض اہم باتیں سامنے آتی ہیں۔ یہ قدیم نوشتہ اب بھی منیر شریف کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس کی یہ عبارت قابل غور ہے۔

"مومن عارف شاید محمود غزنوی کی طرف سے خراج وصول کرنے کے لئے آئے ہوں۔ یہاں منیر میں ایک قدیم خاندانی برہمن کے پاس ایک تانبے کا دان پتر ہے جس پر پالی بھاشا میں دو موضع منیر کے علاقے میں عطا کرنے کی سند ہے۔ اس میں یہ بھی مرقوم ہے کہ لٹیروں سے محفوظ رہنے کے لئے ترکوں کا مقررہ وغیرہ ان کے حوالے کرو۔ اس راجہ کا نام گوبند چندر دیو لکھا ہے اور اس کا خاندانی تعلق قنوج اور بنارس سے ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک غزنویوں کا خاندان برسر عروج رہا منیر کا راجہ بھی خراج دیتا رہا اور جب آخر میں غزنویہ سلطنت ضعیف ہوئی یہاں تک کہ شہاب الدین غوری کے وقت خاندان غزنویہ بالکل مٹ گیا تو گر کوٹ وغیرہ کے راجاؤں کی طرح منیر کا راجہ بھی بے خوف ہو کر منحرف ہوا اور مومن عارف کو خلاف دستور بادشاہان قتل تو کر ہی نہیں سکا مگر چاہتا تھا کہ اس کی عملداری سے

۱؎ صوفی منیری حیات اور شاعری ص ۳۹

نکل جائیں اور چونکہ اس وقت ادھر پورب میں کوئی مسلمان بادشاہ نہ
آیا تھا ان کا کوئی معین و مددگار بھی نہ تھا اس لئے حالت اضطرار میں بارگاہ
رسالت میں فریادی ہوئے۔[1]

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ مومن عارف اور حضرت امام محمد تاج فقیہ تاریخ منیر میں اہم مرتبہ رکھتے تھے، مومن عارف کے متعلق یہ روایت ہے کہ وہ عہد غزنوی میں منیر تشریف لائے تھے اور وہاں عرصہ تک بہ سلسلہ تبلیغ دین قیام فرما رہے تھے لیکن غزنویہ اقتدار کے زوال کے بعد منیر کے ہندو راجہ نے ان کو ظلم و ستم کا ہدف بنایا، یہاں تک کہ وہ منیر شریف سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ پہنچے۔ جہاں ان کی ملاقات ایک عالم فقیہ بزرگ امام محمد سے ہوئی، وہ بیت المقدس سے تعلق رکھتے تھے، حضرت مومن عارف کی سرگذشت سن کر وہ اپنے کچھ اور جاں فروشوں کے ساتھ بے حد مشکلوں اور مصیبتوں کا سامنا کرتے ہوئے بالآخر منیر شریف آئے جہاں منیر کے حاکم سے انہیں جنگ کرنا پڑی جس میں حضرت امام محمد تاج فقیہ کو فتح حاصل ہوئی اور منیر کے راجہ کو شکست۔ فتح منیر کے متعلق حضرت صوفی منیری کی ایک رباعی بھی ہے جس کی بنیاد اس مادہ تاریخ پر ہے جو فتح منیر کے زمانے میں نکالا گیا تھا۔ منیر شریف کے قدیم مخطوطوں میں "دین محمد شد قوی" مادہ تاریخ کے طور پر مرقوم ملتا ہے جس کی بنیاد پر حضرت صوفی منیری نے مندرجہ ذیل رباعی منظوم کی ہے ۔

یافت چوں بر راجہ منیر ظفر	داد امام از دیں جہاں را نوی
ہست منقول از بزرگان سلف	سال آں دین محمد شد قوی[2]

دوسری روایت ہے کہ حضرت امام محمد تاج فقیہ منیر کی فتح کے بعد اپنے تینوں بیٹوں حضرت اسرائیل، حضرت عبدالعزیز اور حضرت اسمٰعیل کو جنوبی اور شمالی بہار میں تبلیغ اسلام اور اشاعت دین کے لئے مقرر فرمایا اور خود بیت المقدس لوٹ گئے۔ اسی زمانے میں بختیار خلجی نے بہار پر حملہ کیا اور منیر کو اپنے

---

[1] جادۂ عرفاں ص ١٦٢ مصنفہ ڈاکٹر محمد طیب ابدالی۔
[2] دسمبار اشرف ص ٢٦

تک و تمدن کا مرکز بنایا۔ بختیار خلجی کی آمد ۵۹۶ھ مطابق ۱۱۹۳ء میں ہوئی تھی یعنی حضرت امام محمد تاج فقیہ کے تیرہ سال کے بعد خلجی منیر آتا ہے۔ حضرت اسرائیلؒ کے صاحبزادے حضرت مخدوم یحییٰ منیریؒ نے بختیار خلجی کو منیر کی حکومت سپرد کر دی اور خود تبلیغ مذہب میں مصروف ہو گئے۔

غرض کہ حضرت مخدوم یحییٰ منیریؒ کے زمانے سے قصبہ منیر مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کا مرکز بنا یعنی اس کی سیاسی، مذہبی اور تہذیبی اہمیت بتدریج منفرد ہوتی گئی اور حضرت مخدوم یحییٰ منیریؒ کے صاحبزادے حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری اور ان کی اولاد و اخلاف کے ذریعہ اس قصبہ سے رشد و ہدایت کی روشنی پورے ہندوستان میں پھیلی اور مختلف روحانی سلسلے بھی ملک گیر پیمانے پر مسلمانوں میں مقبول ہوئے۔ یہاں سے وابستہ قادریہ، سہروردیہ، فردوسیہ اور شطاریہ سلسلے کے بزرگان دین اپنے باطنی اور روحانی فیوض سے تشنگان روحانیت کو فیضیاب اور سیراب کرتے رہے۔ مختلف زمانوں میں مختلف سلاطین وقت بھی اس سرزمین مقدس کی قدم بوسی کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھتے رہے۔

کالو خاں نے اپنی تصنیف "ہفت گلشن الہی" میں حضرت مخدوم یحییٰ منیریؒ کی تربت پاک پر سلطان سکندر لودی کی حاضری کا ذکر کیا ہے۔ فوائد رکنیہ ملفوظ شاہ رکن الدین جندھا جامع پیر امام الدین راجگیری سنہ ۱۱۰۰ھ کے مطابق سلطان حسین شرقی نے حضرت قاضی علا شطاری منیریؒ کی خدمت میں حاضری سے مشرف ہوا، تزک بابری و تذکرہ بابر مصنف حبیب الرحمن خاں شیروانی کے مطابق شہنشاہ بابر نے حضرت مخدوم یحییٰ منیریؒ کے آستانہ مبارک کی جبہ سائی کی۔ حضرت مخدوم شاہ دولت منیری کے مریدوں میں عبدالرحیم خانخاناں اور ابراہیم خاں کاکر صوبیدار گجرات بھی شامل ہیں۔ موخرالذکر نے حضرت مخدوم شاہ دولت منیری کا سنگی روضہ تعمیر کروایا تھا جو آج بھی مسلم فن تعمیر کے شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ راجہ مان سنگھ نے بھی حضرت مخدوم شاہ دولت منیریؒ کی بارگاہ میں شرف بیعت پا کر حاضری دی بلکہ ایک ماہ تک منیر شریف میں قیام پذیر رہا تھا۔ صاحب مآثر الامراء نے یہ ساری تفصیلیں پیش کی ہیں۔ شیر شاہ سوری بھی حضرت برہان منیری کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے مرید ہوا۔ شاہ شجاع، فرخ سیر اور شاہ عالم وغیرہ بھی

بزرگان منیر شریف کی بارگاہ میں حاضر خدمت ہو کر اپنی اپنی کامیابی و کامرانی کے لئے دعاؤں کے طالب رہے ہیں۔ خانقاہ منیر شریف میں محفوظ فرامین شاہی آج بھی سلاطین وقت کی عقیدت واحترام کی شہادت دے رہے ہیں۔ شہنشاہ جہانگیر نے حضرت بایزید الملقب بہ مخدوم شاہ دولت منیری کو ۱۰۲۸ھ میں کچھ جاگیر پیش کی تھی، اسی طرح سلطان پرویز نے ۱۰۳۲ھ میں شیخ محمد اشرف ولد شیخ محمود حافظ اور فرزندان مخدوم کو مواضع پرگنہ شاہ پور منیر کی زمین نذر کی تھی۔ یہ سلسلہ شاہ جہاں شاہ شجاع اور فرخ سیر تک قائم رہا۔

غرض یہ کہ قصبہ منیر شریف رشد و ہدایت اور تبلیغ مذہب و ملت کا دیرینہ مرکز رہا ہے۔ جس سے عام و خاص ہر دور میں فیضیاب ہوتے رہے ہیں اور آج بھی یہ سلسلہ اسی طرح جاری و ساری ہے۔ مورخین نے ہر عہد میں اس کی روحانی عظمت، تہذیبی مرکزیت اور تاریخی اہمیت کا اعتراف کیا ہے۔

ادبی اعتبار سے بھی یہ قصبہ مسلمانوں کے دور آغاز ہی سے انفرادی خصوصیت کا حامل رہا ہے۔ مسلمانوں کی آمد کے بعد ہندوستان گیر پیمانے پر لسانی تغیر کا سلسلہ تیزی کے ساتھ آگے بڑھا یہاں تک کہ صوفیائے کرام نے اپنے جمالیاتی تجربے کی آئینہ داری کے لئے اس عوامی زبان کو اپنایا جو ہندوؤں اور مسلمانوں کی تہذیبی آویزش اور آمیزش کے بعد عوامی رابطے کی حیثیت سے پورے ہندوستان میں قابل قبول ہوئی تھی جو آگے چل کر اُردو کے نام سے موسوم ہوئی۔ چنانچہ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رح کے تخلیقی تجربے آج بھی اُردو زبان و ادب کی تاسیس و ارتقاء کی تاریخ میں ناقابل فراموش اہمیت رکھتے ہیں۔ اس تہذیبی خطہ سے وابستہ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رح، حضرت مخدوم شاہ دولت منیری رح، حضرت ہدایت اللہ منیری، شاہ اشرف علی شطاری، حضرت شاہ لطف علی المتخلص بہ کہیں، حضرت شاہ اعظم علی عرف شاہ بگن، حضرت شاہ خلیل الدین احمد جوشش منیری تلمیذ ناسخ، حضرت صوفی منیری تلمیذ

غالب دہلوی، حضرت مشرقی منیری جیسی مقتدر ہستیاں مشہور روزگار ہوئیں ۔
ان کے بعد بھی شطار منیری، صدیق منیری، اختر منیری، حافظ شمس منیری اور شاہ
مراد اللہ منیری وغیرہ جیسے مشہور شعرائے کرام اپنی نواسنجیوں کی بدولت مشاہیر
زمانہ ہوئے ۔

خاندانی پس منظر

مشرقی میری کا خاندان دین و نفقہ اور علم و دانش کے اعتبار سے ایک روشن چراغ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ خاندان اپنے حسب و نسب اور دینی خدمات کی وجہ بالعموم ہندوستان میں اور بالخصوص صوبہ بہار میں ناقابل فراموش اور ممتاز ہے۔ علاوہ ازیں یہ خاندان نہ صرف علم و فضل کی وجہ سے باعث افتخار رہا ہے بلکہ ہندوستان میں روحانی عظمت کا حامل بھی ہے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ آپ نجیب الطرفین ہیں یعنی نانیہال اور دادیہال دونوں اعتبار سے آپ کا خاندان اور آپ کے اسلاف قابل احترام ہیں۔ آپ کی بیسویں پشت میں حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کی ذات بابرکات نمایاں نظر آتی ہیں۔ روحانی دنیا میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ سے کون واقف نہیں جن کی عظمت اور تقدس کی شہرت نہ صرف اس اعتبار سے ہے کہ سلسلۂ چشتیہ کے عظیم بزرگ ہیں بلکہ اس اعتبار سے بھی ہے کہ آپ حضرت نظام الدین اولیاؒ کے پیر و مرشد اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے جانشیں حضرت قطب الدینؒ بختیار کاکیؒ کے مرید و جانشیں بھی ہیں۔ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے ملفوظات آج بھی تشنگان علم و ادب اور طالبان معرفت و حقیقت کے لئے مشعل راہ ہیں

حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے متعلق مستند تذکروں اور نسب ناموں میں تحریر ہے کہ آپ کے صاحبزادے حضرت یعقوب ناخدا کی اولاد میں حضرت نصیرالدین عرف پیارے اسلام کی ترویج و اشاعت کی غرض سے کرجی متصل پٹنہ میں آباد ہوئے اور مشرقی میری کے دادا شیخ محمد اصغر تک خاندان وہیں آباد رہا۔ حضرت قطب الدین عرف شاہ بساون حضرت منعم پاکؒ

کے مشہور خلیفہ تھے۔ آپ کی شخصیت علمی اور روحانی دونوں اعتبار سے گراں قدر رہی ہے۔ آپ اسّی برس تک رشد و ہدایت کے فرائض انجام دیتے رہے اور ۱۲۱۰ھ میں رحلت فرمائی۔ مشرقی منیری کے دادا حضرت شیخ محمد اصغر کا انتقال بہت کم عمری ہی میں ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد مشرقی منیری کے والد حضرت شاہ خلیل احمد جوشؔ منیری اپنے نانا حضرت سید شاہ لطف علی کے حکم سے منیر شریف منتقل ہو گئے۔ مشرقی منیری کے والد حضرت جوشؔ منیری بھی نہ صرف صاحب علم و فن تھے بلکہ ادبی اعتبار سے بھی آپ کی حیثیت معتبر رہی ہے۔ آپ فن شاعری میں عبدالغفور نساخؔ کے شاگرد رشید ہیں[1]۔ چونکہ عمر نے وفا نہ کی اس لیے آپ کی ادبی کاوشیں اتنی کافی نہیں ہیں کہ جن کی روشنی میں آپ کا ادبی مقام متعین کیا جا سکے۔ مشرقی منیری اپنے والد بزرگوار حضرت جوشؔ منیری کے اکلوتے صاحب زادے تھے جن سے یہ خاندان جاری و ساری رہا اور ہے۔

نسب نامہ پدری : محمد احتشام الدین منیری ابن شاہ خلیل الدین احمد ابن شیخ محمد اصغر ابن مولوی عزیز اللہ ابن شاہ قطب الدین عرف شاہ بسادن ابن شیخ محمد مراد ابن شیخ جواد ابن شیخ محمد ذکریا ابن شیخ محمد یحییٰ ابن شیخ رکن الاسلام ابن شیخ معیز الاسلام ابن شیخ نصیر الدین عرف شیخ پیارے ابن شیخ محمد فیض اللہ ابن شیخ زین الدین ابن شیخ رکن الدین ابن شیخ محمد یوسف ابن شیخ محمد یعقوب ناخدا ابن شیخ فریدالدین گنج شکر ابن شیخ جمال الدین ابن شیخ سلیمان ابن شیخ محمد زاہد ملقب بفرخ شاہ کابلی ابن شیخ محمد خلیل ابن شیخ عبدالملک ابن شیخ عبدالجبار ابن شیخ عبداللہ صحرائی ابن شیخ محمد عطار ابن شیخ ذکریا ابن شیخ ابراہیم فقیہہ ابن عبداللہ قدس اللہ سرہٗ ابن حضرت امیرالمومنین عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ[2]

۱۔ تذکرہ مسلم شعرائے بہار صفحہ ۲۳ مولفہ حکیم سید احمد اللہ ندوی حصہ اول۔

۲۔ کتاب الانساب مخطوطہ صفحہ ۵ مرتبہ شاہ عبدالقادر اسلام پوری، کتب خانہ قادریہ اسلام پور۔

مشرقی منیری کی نانیہال بھی اپنے حسب و نسب اور خاندانی وقار کے اعتبار سے ہندوستان میں شہرت کی حامل ہے۔ آپ کی بیسویں پشت میں حضرت سید علی جاجنیری طریقت و معرفت کے تابندہ ستارے تھے۔ آپ سلطان شہاب الدین غوری کے عہد میں غزنی سے ہندوستان آئے اور درویشانہ زندگی اختیار کی۔ آپ نے لوگوں کو اخوت و محبت اور رشد و ہدایت کی تعلیم دینا اپنی زندگی کا اہم فریضہ بنا لیا تھا اور اپنی زندگی کو اسی کارِ خیر کے لیے وقف کر دی تھی۔ آپ کے متعلق مختلف تذکروں اور نسب ناموں میں تحریر ہے کہ اسلام کی ترویج و اشاعت کے سلسلہ میں پنجاب اور دہلی ہوتے ہوئے صوبہ بہار کے ایک قصبہ امرتھ ضلع مونگیر میں رشد و ہدایت کا مشن لے کر پہنچے اور ان کی اولاد میں حضرت مولانا قطب الدین تاربیگھوی مصطفےٰ پور متصل دیسنہ ضلع پٹنہ (حال ضلع نالندہ) میں اقامت پذیر ہوئے۔ حضرت سید مظفر علی تک مشرقی منیری کا نانیہالی خاندان تاربگھی میں سکونت پذیر رہا۔ ان کے انتقال کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت مخدوم شاہ یحییٰ علی نوآبادی خسرو پور ضلع پٹنہ میں آباد ہو گئے۔ حضرت شاہ یحییٰ علی نوآبادی حضرت مخدوم شاہ حسن علی کے جلیل القدر خلیفہ تھے۔ حضرت شاہ یحییٰ علی نوآبادی کے فیوض و برکات بہار شریف، شیخ پورہ اور اسلام پور کی خانقاہوں میں ہنوز جاری و ساری ہیں۔ آپ کے صاحبزادے مشرقی منیری کے نانا حضرت اشرف علی المتخلص عارف اردو اور فارسی کے مشہور شاعر تھے[1]۔ آپ مولانا مخدوم یحییٰ نوآبادی کے مرید، خلیفہ و جانشین تھے۔ علم کے بڑے شائق تھے اور تاحیات مصروف درس و تدریس رہے۔ آپ کی تصنیفات ہیں "عقیدۃ المسلمین" اور "فارسی دیوان" راقم الحروف کے خاندانی کتب خانہ قادریہ اسلام پور ضلع نالندہ میں آج بھی محفوظ ہیں۔ عبدالحمید پریشاں عظیم آبادی طب میں آپ ہی کے شاگرد تھے۔ یہاں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ حضرت مشرقی منیری کے والد ماجد حضرت شاہ خلیل احمد جوشش منیری اور

---

[1] تذکرہ مسلم شعرائے بہار حصہ سوم ص۱۱ مولفہ حکیم سید احمد اللہ ندوی۔

حضرت مشرقی منیری کے استاد حضرت صوفی منیری دونوں خالہ زاد بھائی تھے اور حضرت شاہ لطف علی المتخلص کرسی کے نواسے۔ حضرت مشرقی منیری کے نانا حضرت اشرف علی عارف اور ان کے والد جوشش منیری کے نانا شاہ لطف علی بھی شاعر تھے اور کرسی تخلص فرماتے تھے۔ حضرت کرسی فارسی کے شاعر تھے اور حضرت عارف فارسی اور اردو دونوں کے شاعر تھے۔

ان حقایق کی وضاحت سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ حضرت مشرقی منیری کے والد ماجد اور والدہ دونوں ہی اپنی خاندانی عظمت اور علم وفضل کے اعتبار سے مشہور زمانہ تھے اور انہی دونوں کے سایہ عاطفت میں حضرت مشرقی منیری کی پرورش وپرداخت ہوئی اور تعلیم وتربیت کے ابتدائی مراحل طے ہوئے۔ آپ دونوں کی نیک نیتی اور پرخلوص دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ حضرت مشرقی منیری جیسی گراں قدر شخصیت اور صاحب علم وفن ہستی عالم وجود میں آئی۔

نسب نامہ مادری: احتشام الدین حیدر ابن بی بی لطفن بنت مولانا اشرف علی عارف نوآبادی ابن مخدوم شاہ یحیی علی نوآبادی ابن سید مظفر علی ابن سید محمد احسن ابن سید وجیہہ الدین عرف بولن ابن سید حسن زید ابن سید قطب الدین داد بیگ تاربگیہوی ابن سید قاسم ابن سید عالم ابن سید صفدر ابن سید قطب الدین اولیا رنگیری ابن سید محمد اولیا ابن سید علاء الدین ابن سید خواند میر ابن سید ناصر ہانسوی ابن سید فیض اللہ ابن سید مظفر الدین ابن مبلغ اسلام سید علی جاجنیری ابن سید ابوالفتح ابن سید ابوالفوارش ابن سید ابوالفرح واسطی ابن سید راشد ابن سید عیسی ابن سید ابوالحسن زید ابن سید حسن ابن سید محمد اکرم ابن سید منصور ابن سید عمر ابن سید یحیی ابن سید حسین ابن سید امام زید شہید ابن امام زین العابدین ابن امام حسینی ابن سیدنا علی کرم اللہ وجہہ۔[٢]

---

[١] تذکرہ مسلم شعرائے بہار حصہ سوم ص۱۱ مولفہ حکیم سید احمد ندوی۔
[٢] کتاب الانساب مخطوطہ ص۶۷ مرتبہ شاہ عبدالقادر اسلام پوری۔

حالات زندگی

حضرت مشرقی منیری منیر شریف کے مشہور علمی، روحانی اور تہذیبی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا نام احتشام الدین عرف شاہ حیدر اور تخلص مشرقی ہے۔ آپ کی پیدائش ۹ ر صفر بروز منگل بوقت چاشت ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۶ء اپنی دادیہالی زمین قصبہ منیر ضلع پٹنہ میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد حضرت شاہ خلیل الدین احمد جوشؔ منیری خود بھی فارسی و اردو کے مستند شاعر تھے اور عبدالغفور نساخ سے رشتہ تلمذ رکھتے تھے۔ جوشؔ منیری نے مشرقی کے ولادت باسعادت پر درج ذیل قطعہ تاریخ منظوم کیا ہے[1]۔

بست و نہم صفر سہ شنبہ گہ چاشت	بود ستے کہ فرزند سعادت و آثار
پیدا شدو نامش احتشام الدین گشت	از مصرع سال اود در تاریخ برآمد
منقوطہ از آں ہجری و باقی فصلی ست	فرخ طالع کمال ایں برخوردار
	۱۲۸۲ھ ۔ ۱۲۷۳ فصلی

خود مشرقی منیری نے اپنی تاریخ ولادت کو ایک قطعہ میں منظوم کی ہے جو ان کی خود نوشت کلیات فارسی میں موجود ہے اور مندرجہ ذیل ہے[2]۔

بود ہشتاد و دو از بعد ہزار و دو صد	کز عدم مشرقی بادہ کش آمد بوجود
سال پیدائش خود را چو شنیے خواست از دل	"طالب کوی خرابات" سر خوشش فرمود
	۱۲۸۲ھ

ا۔ تذکرہ مسلم شعرائے بہار حصہ اول مولفہ حکیم سید احمد اللہ ندوی ص ۲۲۱

۲۔ فارسی کلیات مشرقی مخطوطہ مصنفہ مشرقی منیری ص ۳۶

مشرقی منیری کی ابتدائی تعلیم کا آغاز ان کے والد ماجد حضرت شاہ خلیل الدین احمد جوش منیری کی نگرانی میں ہوا لیکن یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک برقرار نہ رہ سکا اس لیے کہ حضرت جوش منیری مونگیر میں سررشتہ رجسٹری سے منسلک تھے چنانچہ انہوں نے مشرقی کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اپنے خالہ زاد بھائی حضرت صوفی منیری کے سپرد کی۔

حضرت صوفی منیری ایک صاحب طرز شاعر اور نثار تھے اور غالب دہلوی کے ارشد تلامذہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ مشرقی ادبیات پر حضرت صوفی منیری کی گہری نگاہ تھی۔ آپ کے زیر تربیت مشرقی منیری کو اکتساب علم و فن اور حصول فکر و فن کے زریں مواقع حاصل ہوئے۔ مشرقی منیری فطرت ہی سے موزونی طبع اور ذہانت و فکاوت کی دولت لے کر آئے تھے۔ حضرت صوفی منیری کی علمی و ادبی صحبت نے ان کی تخلیقی ذہانت اور جمالیاتی شخصیت کو اس طرح سنوارا کہ دیکھتے دیکھتے علم و فضل اور فکر و فن میں مشرقی اپنی انفرادیت طبع کا مظاہرہ کرنے لگے۔ یوں تو انہوں نے گیارہ برس کی عمر میں مروج نصاب کی تکمیل کر لی تھی لیکن تاحیات مشرقی منیری اکتساب علم اور حصول فن میں یکسوئی، لگن اور توجہ سے مصروف رہے اور حضرت صوفی منیری کی زندگی تک علم و ادب اور سلوک و تصوف کے مرحلوں میں ان سے فیضیاب ہوتے رہے۔ حضرت صوفی منیری کی علمی و ادبی شخصیت متنوع خصوصیات کی حامل تھی عربی و فارسی علوم و ادبیات کے علاوہ فن خطاطی پر بھی ان کو عبور حاصل تھا چنانچہ علم خطاطی کے رموز و نکات بھی مشرقی منیری نے حضرت صوفی منیری ہی سے حاصل کئے۔

گیارہ سال کی عمر تک حضرت مشرقی منیری آلام روزگار و غم دوراں سے بے نیاز حصول علم میں مصروف و مشغول رہے لیکن تعلیمی زندگی کی تکمیل کے ساتھ ہی ساتھ پہلی بار ان پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹا اور وہ اپنے والد ماجد کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ ابھی غم دوراں کی اس گرفت سے وہ سنبھلے بھی نہیں پائے تھے کہ ان کی والدہ ماجدہ راہی ملک عدم ہو گئیں یعنی والد ماجد کی رحلت کے چار ہی سال کے بعد مشرقی منیری ماں کی آغوش رحمت سے بھی محروم ہو گئے۔ ان دو حادثات نے مشرقی کی زندگی میں ایک لامتناہی خلا پیدا کر دیا جس کا پر کرنا کسی کے بس میں نہ تھا لیکن حضرت صوفی منیری نے حتی الوسع اپنی شفقت و محبت اور رحمت و عنایت سے مشرقی منیری کی اس طرح دل دہی کی کہ مشرقی منیری۔ بڑی

حد تک ان جانکاہ آلام کو فراموش کرنے میں کامیاب ہو سکے۔

حضرت صوفی منیری کی شادی حضرت سید شاہ ولایت علی ہمدانی ساکن اسلام پور ضلع پٹنہ (حال ضلع نالندہ) کی صاحبزادی سے ہوئی اور آپ بوجہ مستقلاً اسلام پور میں اقامت پذیر ہوئے تو اپنے ہمراہ مشرقی منیری کو بھی اسلام پور لے گئے۔ مشرقی منیری کے لئے یہ ہجرت فال نیک ثابت ہوئی اس لئے کہ حضرت صوفی منیری کی وساطت سے آپ کی رسائی عربی کے ایک جید عالم اور صوفی حکیم مولانا رفیق شہباز پوری[1] تک ہوئی جو قصبہ اسلام پور میں بسلسلہ مطب قیام فرما تھے۔ مشرقی منیری نے عربی اور طب کی ابتدائی تعلیم انہیں سے حاصل کی اور ان ہی علوم و فنون کی تکمیل کے لئے عظیم آباد تشریف لائے جہاں حکیم عبدالحمید پریشاں عظیم آبادی کے دامن تربیت سے وابستہ ہوئے۔[2]

حکیم عبدالحمید پریشاں عظیم آبادی نہ صرف یہ کہ اپنے زمانے کے ایک مشہور طبیب تھے بلکہ فارسی و اردو کے مستند اور معتبر شاعر کے حیثیت سے ہندوستان گیر شہرت کے مالک تھے۔ علم طب میں پریشاں عظیم آبادی کے استاد حکیم اشرف علی نو آبادی تھے جن کا تذکرہ "انوار ولایت" اور "مسلم شعرائے بہار" میں موجود ہے۔ حکیم اشرف علی بھی فارسی و اردو کے مشہور شاعر تھے اور عارف تخلص کرتے تھے اور مشرقی کے حقیقی نانا تھے۔ مشرقی منیری اس رشتہ کی بدولت حکیم پریشاں عظیم آبادی کے حلقۂ تلامذہ میں شریک ہوئے اور ایک عرصہ تک پریشاں عظیم آبادی کی علمی و ادبی صحبت سے فیضیاب ہوتے رہے اور علم طب کے ساتھ ساتھ شعر و سخن میں بھی مشرقی نے پریشاں عظیم آبادی کی صحبت سے گراں قدر استفادہ کئے۔

درج بالا تفصیلات سے منشرح ہے کہ مشرقی منیری کی تعلیم و تربیت میں ایسے بزرگان علم و فن کا ہاتھ رہا ہے جن کی عالمانہ بصیرت اور شاعرانہ عظمت کا اعتراف پورے ملک کو تھا۔ خود

---

[1] آپ حضرت شاہ ولایت علی ہمدانی اسلام پوری کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کا وطن موضع شہباز پور علاقہ پن پن ضلع گیا تھا۔

[2] حضرت صوفی منیری کے نثری کارنامے۔ صفحہ ۵۳۔ ڈاکٹر محمد طیب ابدالی

حضرت صوفی منیری کی گرانقدر روحانی وجمالیاتی شخصیت سے مشرقی منیری نے تقریباً چھبیس برس تک فیوض و برکات حاصل کئے اور حضرت صوفی منیری سے اپنے رشتۂ شاگردی کو باعثِ افتخار سمجھتے رہے جس کا ثبوت ان کی ایک نظم "درمدح حضرت صوفی منیری" ہے۔ اس نظم میں انھوں نے اپنے استاد حضرت صوفی منیری سے اپنی بے پایاں عقیدت کا والہانہ اظہار اس طرح کیا ہے ؎

شاہ فرزند علی فخرِ امم | میرے استاد میرے مرشد عم
میں نے تعلیم ان ہی سے پائی | ہے ان ہی سے یہ سخن آرائی (الخ)

اپنے اسی جذبہ عقیدت کا اظہار انھوں نے فارسی قطعات تاریخ وفات میں اس طرح کیا ہے[۱] ؎

شاہ فرزند علی عم من و استادم | آنکہ ذاتش بصفات فقرا آمدہ جفت
بر رہ دین راہبرے بہ شرف دین را دل | گلشن دولت ازو سبز وشد و پر بشگفت
چہ کنیم از سر چو خفاشِ بظلمت مانیم | او چو در پردۂ غیب آں رخ روشن بنہفت
بود اندیشۂ تاریخ وصالش کہ دلم | بر راہِ شرف و دولت دین بود بگفت
۱۳۱۸ھ

مشرقی منیری کی شادی خانہ آبادی ایک قریبی عزیز حضرت شاہ نصیر الحق نو آبادی خورد سجادہ نشین خسرو پور نوادہ کی بڑی صاحبزادی بی بی سلیمن سے ہوئی۔ حضرت شاہ نصیر الحق کا خاندان روحانی عظمت وشوکت و نجابت وشرافت کے لحاظ سے صوبہ بہار میں بڑی اہمیت کا حامل ہے اور اس لئے بھی کہ موصوف مشہور مبلغ اسلام حضرت سید علی جاجنیریؒ کی اولاد میں تھے۔

عملی زندگی میں باضابطہ طور پر قدم رکھنے کے بعد مشرقی منیری نے طبابت کو ذریعۂ معاش بنایا اور اس سلسلہ میں مظفر پور میں اقامت گزیں ہوئے اور وہاں کافی عرصہ تک قیام پذیر رہے جس کا اندازہ اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ ۱۹۰۲ء میں عظیم آباد کے ایک یادگار تاریخی مشاعرہ میں آپ نے مظفر پور ہی سے آکر شرکت فرمائی تھی[۲]۔

۱۔ فارسی کلیات مشرقی منیری مسمیٰ بہ بضاعت مزجات (مخطوط) ص ۲۴۔
۲۔ عظیم آباد کا ایک یادگار مشاعرہ ——— ڈاکٹر یوسف خورشیدی

ان کی چار اولادیں تھیں جن میں دو کا انتقال صغر سن میں ہوگیا۔ بقیہ دو میں سے ایک صاحبزادے شاہ انتظام الدین، محمد اسمٰعیل شطار تھے اور دوسری صاحبزادی بی بی رابعہ خاتون تھیں۔ شاہ انتظام الدین کی ولادت ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۴ء میں قصبہ منیر شریف میں ہوئی جس کی تائید مشرقی منیری کے درج ذیل قطعہ تاریخ سے ہوتی ہے[۱]

صبح عید ضحیٰ ز فضل مرا　　پسرے داد حق مبارک پے
نام او کردم انتظام الدین　　چون کشادم کتاب حق راطے
فکر سال ولادتش بہ نشاط　　کرد بیخود دلم چو نشا مے
بدعا ناگہان سروش زغیب　　گفت بادا بلند اختر وے

بی بی رابعہ خاتون کا سنہ پیدائش ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء اور جائے پیدائش قصبہ منیر شریف ہے۔ حضرت مشرقی منیری نے بیٹی کی پیدائش پر بھی مادہ تاریخ نکالا تھا۔ جو درج ذیل ہے[۲]

کرامت خدا کرد دختے مرا　　کہ بادا بکونین بختش بلند
دارا طفال او چون بود چارمین　　دلم رابعہ کرد نامش پسند
خدا سازش ثانی رابعہ　　بنیاد از چشم دوران گزند
سروشم بتاریخ پیدائشش　　بگفتا بود دختر ارجمند
　　　　　　　　　　　　۱۳۱۴ھ

مشرقی منیری ایک محترم صوفی خاندان کے فرد تھے جس میں خرقہ خلافت کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ عام طور پر صوفیاء کرام نے ہر دور میں رشد و ہدایت اور دینی اشاعت سے ایسے لوگوں کی تہذیب و تربیت کی ہے جو آئندہ زمانوں میں اس سلسلہ کو جاری رکھیں۔ چنانچہ حضرت شاہ بیکن منیری نے اپنے بھانجے حضرت شاہ اولاد علی کو اپنا مرید و جانشیں نامزد کیا اور

۱؎ فارسی کلیات مشرقی منیری مسمیٰ بہ بضاعت مزجات (مخطوطہ) ص ۳۷
۲؎ فارسی کلیات مشرقی منیری مسمیٰ بہ بضاعت مزجات (مخطوطہ) ص ۳۷

حضرت شاہ اولاد علی نے اپنے برادر عزیز حضرت شاہ فرزند علی صوفی منیری اور برادر زادہ مشرقی منیری کو مرید کیا اور خرقہ خلافت سے نوازا۔ حضرت صوفی منیری نے بھی مشرقی منیری کو اپنا خلیفہ بنایا اور اس طرح مشرقی منیری کی زندگی سلسلہ فردوسیہ کی روایات کی تکمیل میں بہ طرز احسن گذری جو ان کا خاندانی وطیرہ اور ان کے بزرگوں کی روایت تھی۔

مشرقی منیری کے تفصیلی حالات زندگی دستیاب نہیں۔ قرائن شاہد ہیں کہ وہ بالعموم اپنی تشہیر اور اشاعت سے گریزپا رہے۔ دوسرے یہ کہ ان کے ہم عصروں، رشتہ داروں اور حلقہ احباب سے بھی کوئی ایسی مستند روایت نہیں ملتی جس سے ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہو۔ ان کے حقیقی بھانجے محمد عثمان رخشاں ابدالی مرحوم اور ایک قریبی عزیز شاہ مراد اللہ منیری سے بعض روایتیں لوگوں تک پہنچی ہیں بلکہ شاہ مراد اللہ منیری نے مشرقی منیری کا ایک قلمی خاکہ بھی کھینچا ہے جس سے ان کی ظاہری شخصیت کے خدوخال تو نمایاں ہوتے ہیں لیکن ان کی شخصیت و سیرت پر روشنی نہیں پڑتی اس لئے کہ شاہ مراد اللہ منیری نے عالم طفلی میں ان کو دیکھا تھا۔ رخشاں ابدالی نے مشرقی منیری کے علمی و ادبی مشاغل پر بہت کچھ لکھا ہے، ان کے مضامین و مقالات ہندو پاک کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں جس میں مشرقی کی شاعری و نثر نگاری پر خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ لیکن ان کے ذاتی حالات پر رخشاں ابدالی بھی زیادہ روشنی نہ ڈال سکے۔ پھر بھی ان بزرگوں سے کچھ روایتیں راقم الحروف تک پہنچی ہیں۔ مزید برآں خود مشرقی منیری کا قلمی کلیات اس سلسلہ میں کسی حد تک رہنمائی کرتا ہے اور یہی کلیات میرے اس مقالے کی بنیاد بھی ہے۔

مشرقی منیری کے کلیات اردو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ابتدا میں محو تخلص اختیار کیا۔ پھر صافی پھر معنی کیا لیکن بہ وجوہ آخر میں مشرقی تخلص اختیار کر لیا۔ وہ خود کلیات اردو (مخطوطہ) میں رقم طراز ہیں[۱]۔

"محو وہ تخلص ہے جو آغاز شاعری میں فقیر نے اختیار کیا تھا پھر صافی کیا

---

[۱] کلیات اردو مخطوطہ صہ ۶۹

پھر معنی کیا جب کسی کا تخلص اپنے نام کا پایا ترک کیا۔ آخر میں مشرقی کیا۔
اس نام کے ایک صاحب نظر آئے جو محض اردو میں غزل گو تھے۔ فارسی و
عربی سے ان کو علاقہ نہ تھا۔"

کلیات مشرقی منیری میں محو کے تخلص سے ایک ہی غزل شامل ہے۔ اس تخلص کی کچھ غزلیں دوسرے ذرائع سے دستیاب ہوئی ہیں۔ شاہ مراد اللہ منیری کے پاس صافی تخلص سے کچھ غزلیں تھیں لیکن محو اور صافی کے تخلص سے جو غزلیں دستیاب ہوئی ہیں ان سے بھی مشرقی منیری کی شخصیت پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ معنی تخلص سے ان کی کوئی غزل دستیاب نہ ہو سکی۔ اپنے کلیات میں مشرقی منیری نے جا بجا اپنی زندگی اور شخصیت پر بالواسطہ روشنی ڈالی ہے جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر مشرقی منیری ایک صاحب دل صوفی اور فقیر منش بزرگ تھے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مشرقی منیری کی زندگی کے دو خاص پہلو تھے۔ یعنی عبادت و ریاضت اور شعر سخن فکر و فن۔ انہوں نے طبابت کو ذریعہ معاش کے طور پر اختیار کیا تھا۔ چنانچہ ان کی پوری زندگی اسی تشلیث میں گذری۔ عبادت، شعر گوئی اور طبابت۔ طبابت کے لئے انہوں نے مظفر پور کا انتخاب کیا اور وہاں مطب قائم کر کے اس جہت سے بھی خدمت خلق کا سلسلہ شروع کیا۔ مظفر پور کے انتخاب کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان کے خالہ زاد بھائی اردو کے مشہور صاحب طرز نثار شاعر جناب ریاض حسن خیال تمیذ داغ دہلوی وہیں قیام پذیر تھے۔ خیال سر سید کی اصلاحی و ادبی تحریک سے پر خلوص سطح پر وابستہ تھے چنانچہ خیال کے زیر اثر مشرقی منیری نے بھی سر سید کی اصلاحی تحریک کو آگے بڑھانے میں عملی حصہ لیا۔ مظفر پور اور چھپرہ کی ادبی انجمنوں میں اپنی شرکت سے اس تحریک کو عوامی مقبولیت کی منزلوں تک لے گئے۔

مظفر پور کی ادبی سرگرمیوں سے قبل مشرقی منیری مکمل طور پر فکر شعر گوئی میں مستغرق رہتے تھے۔ یہاں تک کہ پچیس برس کی عمر ہی میں انہوں نے ایک ضخیم کلیات مرتب کر لیا تھا جس کو انہوں نے بعد میں ضائع کر دیا۔ اپنے کلیات اردو مخطوطہ کے دیباچہ میں تحریر

فرماتے ہیں۔[1]

"الغرض ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چھ برسوں کی غزل گوئی پر جس وقت میرا سن پچیس ۲۵ برس کا تھا اپنے اگلے پچھلے کلام کو جو ترتیب دیا تو اردو کا ایک ضخیم دیوان مرتب ہو جو دس ہزار شعروں کا مجموعہ تھا جس میں قطعات و ترکیب بند، قصائد و تاریخ و ترکیب بند، غزلیات و مثنوی اور تاریخوں، رباعیات وغیرہ اصناف سخن کا متعدد ذخیرہ تھے۔ ترتیب دیوان کے بعد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس مالیخولیا نے مجھ سے تحقیقات الفاظ سے متعلق ایک رسالہ لکھوایا جس میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ معنوی لغزشیں بھی ہم عصر مشہور زبان آوروں کے کلام کی عرض کی گئیں تمام کرنے کے بعد یہ خیال آیا کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چونکہ اکثر حضرات کے کلام پر نکتہ چینی ہوئی ہے بجز آزار دل جس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں اس سے کچھ بھی منفعت کی امید نہیں گرچہ اکثر احباب اس رسالے کو دیکھ چکے تھے۔ میں نے اسے زمین میں مدفون کر دیا لیکن اس سے دل کو تسکین نہ ہوئی اور اپنے کئے پر دل کو کچھ ایسی ندامت کا سامنا ہوا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کہ ایک روز مجھے وحشت اور خفقان نے آ گھیرا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اپنے کل کلام نظم کا دفتر اسی سے اینٹوں کے ساتھ باندھ کر حضرت مخدوم شیخ دولت منیریؒ کے تالاب میں قد آدم پانی میں جا کر ڈبو دیا۔ اس طرح اپنے سیہ ناموں کو دھو دینے کے خیال سے فی الجملہ دل کو تسلی ہوئی۔"

اس طویل اقتباس سے دو باتیں سامنے آتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ بنیادی طور پر مشرقی منیری کی شخصیت صوفیانہ اور عارفانہ سرشت رکھتی تھی۔ عنفوان شباب میں جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے انہوں سے ہم عصروں کے کلام پر سخت تعریض و تنقید بلکہ نکتہ چینیاں کیں مگر جب طبیعت میں ٹھہراؤ، سکون اور صلابت آئی تو خود احتسابی نے ان کو اس حد تک شرمندہ کیا کہ انہوں نے

---

[1] دیباچہ کلیات اردو مشرقی منیری مخطوطہ ص ۱۲-۱۱

اپنے سرمایہ سخن ہی کو ضایع کر دیا اس سے ان کی باطنی اور روحانی شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے ساتھ ہی ساتھ ان کی علمی بصیرت اور فنی صلاحیت بھی نمایاں ہوتی ہے اور یہ حقیقت بھی روشن ہوتی ہے کہ کلیات کی شکل میں ان کا جو سرمایہ سخن ہمارے پیش نظر ہے وہ ان کے تمام گفتہ کلام کا عشر عشیر بھی نہیں۔

بہرکیف فارسی و اردو کا جو کلام ہمارے پیش نظر ہے اس سے ان کی انفرادی تخلیقی شخصیت کا تعین چنداں مشکل نہیں۔

مشرقی منیری ایک کہنہ مشق استاد و شاعر کی حیثیت سے اپنی عصری ادبی دنیا میں قابل قدر شہرت کے مالک بن چکے تھے۔ ان کا کلام معتبر رسائل و جرائد کی زینت سمجھا جاتا تھا۔ ہم عصر ناقدین نے ان کے کلام کی بھرپور ستائش و تحسین کی ہے چونکہ مشرقی منیری کی ادبی اور شاعرانہ اہمیت کا تجزیہ اگلے باب میں کیا جائے گا اس لیے یہاں صرف ان کی شخصیت کے روحانی پہلو کی طرف اشارہ مقصود تھا۔

مندرجہ بالا طویل اقتباس سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ بتدریج ان کی طبیعت میں انکساری و خاکساری حد سے زیادہ پیدا ہو گئی تھی وہ ایک باعمل اور برگزیدہ صوفی کی حیثیت سے نمایاں ہو چکے تھے۔ ان کے بیشتر اوقات عبادت و ریاضت میں صرف ہوتے تھے۔ عقیدے کے اعتبار سے وہ سنی تھے اور جیسا کہ عرض کیا گیا وہ سلسلہ فردوسیہ میں بیعت رکھتے تھے۔ حضرت مخدوم جہاں شرف الدین منیری سے ان کو قلبی عقیدت تھی۔ ان کے کلام میں بزرگان دین اور رسول اکرم کی والہانہ عقیدت و محبت پر مشتمل قصائد موجود نہیں۔ حضرت صوفی منیری کے نقش و قدم پر چل کر انہوں نے نہ صرف یہ کہ فقر و فنا کی زندگی بسر کی بلکہ تبلیغ دین اور اشاعت روحانی کو بھی انہوں نے آگے بڑھایا اگرچہ ان کی طبیعت کا جلالی عنصر کبھی کبھی ان کو سیمابی کیفیت کے قریب لے جاتا تھا لیکن بنیادی طور پر انکساری و خاکساری ان کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔

مشرقی منیری نے اپنی زندگی میں کئی طویل سفر بھی کیے جن میں دلی، اجمیر شریف اور بنارس کے اسفار خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ اجمیر شریف اور دلی کے اسفار روحانی تقاضوں کی

تکمیل تھے۔ اس لئے کہ ان جگہوں پر اولیاء اللہ اور برگزیدہ صوفیاء کرام کے مزارات ہیں جن کی زیارت کو وہ لازمۂ ریاضت سمجھتے تھے۔ بنارس کا سفر غالباً تفریحی مقصد رکھتا تھا جس کا ثبوت ان کے تشبیہ قصیدہ سے ملتا ہے جو انہوں نے بنارس کے "بڑھوا منگل" پر لکھا ہے۔ یہ قصیدہ تینتالیس[۴۳] اشعار پر مشتمل ہے۔ یہاں نمونتاً چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں ؎

پھر بہار آئی پھر آبادی۔ بڑھوا منگل
پھر جوانوں کو امنگوں نے کیا ہے بیکل

پھر بنارس میں ہوئی بیخ الم مستاصل
پھر بنارس میں ہوا نخل مسرت سرسبز

یوں تو جنگل میں سناکرتے تھے اکثر منگل
آج دریا میں تو ان آنکھوں سے دیکھا ہم نے

دیکھ لیں آج تماشا کہ نہ حسرت ہو کل
پارسا جو ہیں وہ حیلہ سے وضو کے آئیں

کشتیوں کا وہ ہجوم اور وہ ان کی ہلچل
وہ زن و مرد کی بھیڑ اور وہ ان کا غل و شور

کہ لڑا سینہ سے سینہ تو بغل سے بغل
دیکھو اس پار سے اوس پار تو وہ کثرت ہے

بہار کے مختلف علاقوں میں ان کا سفر ادبی سرگرمیوں کا حامل تھا۔ مظفرپور، آرہ، بہار شریف، چھپرہ، اسلام پور، خسرو پور، داناپور اور عظیم آباد کے اکثر اسفار مشاعروں میں شرکت کے لئے اختیار کئے گئے۔ البتہ اسلام پور، خسرو پور، داناپور کی متعدد سفر کے پس پردہ اس قصبہ سے ان کا دیرینہ تعلق عزیز و اقارب سے ملاقات اور بطور خاص اپنے مرشد و استاد کی عقیدت و محبت کارفرما تھی۔ حضرت صوفی منیری کی ابدی آرام گاہ اسلام پور ہی میں ہے۔ اس کے علاوہ دوسری جگہوں کے سفر بچوں کی محبت کے تقاضوں کی تکمیل اور بزرگان سلاسل کے مزارات کی زیارت کے مقصد سے کی۔ اسلام پور اور بہار شریف کے سفر میں اس بات کا بطور خاص خیال التزام رکھتے کہ وہاں کے اعراس میں اور مشاعرہ میں بھی ان کی شرکت ہو جائے۔ حالات بتاتے ہیں کہ اپنے اکلوتے صاحبزادے انتظام الدین کے اصرار پر وہ گاہ بگاہ آرہ بھی تشریف لے جاتے تھے۔ ان کی زندگی کے دو اہم سانحات ایسے ہیں جنہوں نے ان کی شخصیت میں انقلابی

۱؎ قصائد مشرقی منیری مخطوطہ ص ۳۳

تبدیلی پیدا کی۔ ان کی زندگی کا سب سے بڑا حادثہ ان کے اکلوتے بیٹے انتظام الدین شطار منیری کا انتقال ہے۔ انتظام الدین نے ۱۹۲۱ء میں ستائیس ۲۷ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ اکلوتے بیٹے کی جواں مرگی کا غم نے انہیں مختل و بدحواس کر دیا اور اندر سے ان کی شخصیت متزلزل ہو کر رہ گئی۔ ان پر وہی حادثہ گزرا جو انشاء اللہ خاں انشاء پر گزرا تھا۔ مشرقی منیری نے اس صدمہ جانکاہ کی آئینہ داری کرتے ہوئے بڑے پُر سوز اور دل گداز اشعار کہے ہیں۔ یہ اشعار صنف غزل میں مرثیہ کا انداز و آہنگ رکھتے ہیں۔ ماہنامہ "ندیم" کے جون ۱۹۲۶ء کے شمارے میں یہ غزل بعنوان "شاعر کے آنسو" شائع ہوئی تھی۔ یہاں بطور مثال پیش کی جاتی ہے۔

آباد کبھی اپنا بھی ویرانۂ دل تھا ۔۔۔ اک شمع سے پُر نور تھا کاشانۂ دل تھا

لوٹا گیا تھا ایک خزانے سے جو معمور ۔۔۔ ہے اب تو خرابہ وہی جو خانۂ دل تھا

سنگ ستم چرخ سے مئے خاک نے پی اور ۔۔۔ یک لخت ہوا چور جو پیمانۂ دل تھا

خود ہو گیا افسانہ وہی کس سے کہیں اب ۔۔۔ مرغوب ہمارا جسے افسانۂ دل تھا

کیوں مشرقی غمزدہ کا دل نہ ہو بے چین ۔۔۔ اب قبر کی ہے جان جو جانانۂ دل تھا

مشرقی منیری کی زندگی میں یہ غم گھن کی طرح لگ گیا جس نے ان کو مجسم تصویر الم بنا دیا۔ انہوں نے اس غزل کے علاوہ بھی متعدد اشعار میں جا بجا اپنی شکستگی جاں کا نوحہ لکھا ہے۔ مثلاً درج ذیل شعر ملاحظہ فرمائیے۔

کیا تماشا ہے میری آنکھوں میں اسے نور نظر
پتلیوں سا پھر رہا ہے سامنے آتا نہیں

ابھی مشرقی منیری اس صدمۂ عظیم اور غم جانکاہ سے سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ انہیں اپنی صاحبزادی بی بی رابعہ خاتون کی بیوگی کا بوجھ اٹھانا پڑا۔ حساس شاعر نے زندگی کے بخشے ہوئے آلام و مصائب کو انگیز کرنے کی حوصلہ مندانہ جرأت کی لیکن آخر آخر دامن صبر ہاتھوں سے چھوٹنے لگا بتدریج طبابت اور ذریعہ معاش سے دلچسپی معدوم ہو گئی یہاں تک کہ آشفتہ حالی نے انہیں تقریباً زندگی کے عام تقاضوں سے بے صبر کر دیا۔ وہ مظفر پور سے منیر شریف منتقل ہو گئے اور

ان کے بیشتر اوقات عبادت و ریاضت میں بسر ہونے لگے۔ اس روحانی یکسوئی نے بڑی حد تک ان کو ذاتی رنج و آلام کے برداشت کی ہمت دی ورنہ عام طور پر ایسے حادثات کے بعد اپنی شخصیت پر قابو پانا ممکن نہیں ہوتا۔ مشرقی منیری کی متصوفانہ مشغولیت نے ان کی آشفتہ مزاجی پر بڑی حد تک پردے ڈال دیئے پھر بھی روح میں پرورش پانے والی کسک جابجا اپنا اظہار کرتی رہی۔ کہتے ہیں ؎

گرچہ طب میں ہے دستگاہ مجھے
غم سے اپنے مگر برا ہے حال

مشرقی منیری کی شخصیت کی تعمیر و تہذیب میں ان کے خاندانی ماحول کے علاوہ حضرت فرزند علی صوفی منیری کی تربیت و رہنمائی کا سب سے بڑا ہاتھ رہا ہے جس نے ان کو بزرگوں کی روایات و تہذیب کا حامل بھی بنایا اور ان کی طبیعت میں عاجزی، خاکساری، سادگی، شائستگی، انکساری، اخلاص، حق گوئی، بے باکی اور شفقت و محبت کے عناصر پیدا کئے۔ انہوں نے اپنی شخصیت پر بڑی حد تک قابو پانے کا ثبوت پیش کیا ہے، ورنہ جیسے حادثات بچپن سے آخر عمر تک ان کی زندگی میں رونما ہوئے وہ انسان کو مکمل طور پر دیوانہ کر دینے کے لئے کافی ہیں۔ گیارہ برس کی عمر میں والد ماجد کا انتقال، پندرہ برس کی عمر میں والدہ کی رحلت، عمر کے آخری حصہ میں اکلوتے جوان بیٹے کا داغ مفارقت اور کچھ ہی دنوں کے بعد بیٹی کے سہاگ کی تاراجی ایسے پیہم حادثات سے گذر کر متوازن سطح پر زندگی گزارنا کار آسان نہ تھا۔ یہ تو ان کی صوفیانہ سرشت، باطنی استحکام اور کردار کی صلابت و پختگی تھی جس نے ان کو بڑی حد تک سہارا دیا لیکن ان پیہم حادثات نے جوان کی زندگی میں خلا پیدا کر دیا تھا وہ کسی بھی طرح پُر نہ ہو سکا گرچہ انہوں نے بظاہر بڑے صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا مگر اندر اندر سلگنے والی اس آگ نے ان کی شخصیت کو جلا کر راکھ کر دیا اور آخر کار ۹ شوال ۱۳۴۳ھ مطابق ۶ ۱۹۲۵ء کو ظہر کے وقت ان پر فالج کا زبردست حملہ ہوا اور رات بھر حیات و موت کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد

دوسرے دن ۱۰ شوال ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۵ء کو اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ منیر شریف کی چھوٹی درگاہ حلقۂ مخدوم شاہ دولت منیریؒ میں آپ سپرد خاک کئے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

عصری ادبی و تہذیبی پس منظر

مغلوں کی مستحکم اور پائیدار حکومت نے مشترکہ ہند اور اسلامی تہذیب کو نہ صرف یہ کہ ایک نئی سمت و جہت دی بلکہ اس کے خد و خال بھی نمایاں کئے۔ اکبر سے شاہجہاں کے عہد تک ایک ایسی ثقافتی اور تہذیبی زندگی تعمیر و ارتقار کی طرف محوِ خرام نظر آتی ہے جو آگے چل کر مغل تہذیب سے موسوم ہوئی جس میں رقص و موسیقی، بت تراشی، تعمیر، مصوری اور ادب میں نہایت ہی عظیم الشان انقلاب پیدا کیا۔ یہ پورا عہد گرچہ دو مختلف رجحانات کی نمائندگی کرتا ہے یعنی اکبر اور جہانگیر کے مزاج فن میں بڑی حد تک ہم آہنگی نظر آتی ہے مگر شاہجہاں کا تہذیبی مزاج واضح طور پر مختلف رنگ و آہنگ رکھتا ہے۔ اس اختلاف کے باوجود یہ پوری تہذیب مغل تہذیب کے نام سے جانی جاتی ہے۔

ہندوستان کی مشترکہ ڈراویڑی اور آریائی تہذیب پر مسلمانوں کے اثرات خلیفہ دوم یعنی حضرت عمرؓ کے زمانہ سے مرتب ہونے لگے تھے جن کو محمد بن قاسم کی فتح سندھ، عرب تاجروں کے تبلیغی مقاصد اور بعد میں درہ خیبر کی طرف سے حملہ آور ہونے والے مسلمان فاتحین نے استحکام و تقویت بخشی اور اس طرح غزنویوں اور غوریوں کے بعد غلام خاندان اور پھر خلجی، تغلق اور لودی سلاطین کے عہد حکومت میں ہند اسلامی تہذیب کے خد و خال زیادہ روشن ہوئے مگر اس کی ثقافتی انفرادیت اور تہذیبی نفاست مغل عہد میں حاصل ہوئی ہے۔ شاہجہاں کا عہد اس اعتبار سے مغل تہذیب کے نصف النہار کا عہد ہے۔

شاہجہاں کے دور آخر میں ہند اسلامی تہذیب کا آفتاب ڈھلنے لگا تھا۔ اورنگزیب

کا عہد حکومت ڈھلتے ہوئے سورج کی دھاندار روشنی کی طرح تھا جس نے پورے خطہ ہند کو ایک شعاعوں کا مرکز بنایا مگر اورنگ زیب کے انتقال کے بعد یہ تہذیب انحطاط و زوال کا شکار ہو گئی۔

اورنگ زیب کے بعد مغل خاندان کا کوئی ایک فرد ایسا سامنے نہیں آیا جس میں اس عظیم الشان وسیع و عریض حکومت کو سنبھالنے کی صلاحیت و اہلیت ہوتی۔ امرا کی وہ درباری سازشیں جن کا آغاز شاہجہاں کے آخری دور حکومت میں ہو چکا تھا اور جن کو اورنگ زیب کی حکمت عملی نے تقریباً پچاس سال کے لئے منتشر کر دیا تھا۔ ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کی رحلت کے فوراً بعد ہی تیزی کے ساتھ سامنے آ گئیں اور دیکھتے دیکھتے قلعہ معلی ویلانیوں، دورانیوں اور راجپوتوں اور دوسرے امرا کی خود غرضیوں اور سازشوں کا مرکز بن گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ مغل وقار اور شان و شوکت کے اثرات بکھرنے لگے۔ اس درمیان ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے بھی اپنے اثرات و رسوخ اچھی طرح قائم کر لئے تھے۔ یوں تو ۱۶۵۱ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو شاہجہاں نے بنگال میں تجارت کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ انگریز چونکہ نسبتاً ترقی یافتہ صنعتی تمدن کے مالک تھے اور ہندوستان روایت کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اس لئے یہاں انگریزوں نے یہاں کے سیاسی، اقتصادی اور تہذیبی انتشار سے فائدہ اٹھا کر اپنے اثرات اس طرح قائم کئے کہ ہندوستان کے راجاؤں، نوابوں، جاگیرداروں اور صوبہ داروں نے اپنے اپنے مقصد کے لئے ان کو اپنا حلیف بنایا اور بعد میں خود ان کے آلہ کار بن گئے۔ اقتصادی طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک فیصلہ کن منصوبہ کے تحت ہندوستانی اقتصادیات پر ضرب کاری لگائی اور یہاں کی مقامی صنعت و تجارت کو مفلوج کر دیا جس کا اثر ہر شعبۂ زندگی پر مرتب ہوا اور اس طرح ہندوستانی تہذیب انحطاط و بحران کے بھنور میں پھنس گئی۔ سیاسی انتشار نے مرکز کو بے دست و پا کر دیا تھا۔ اس کے مختلف صوبے خود مختار ہو چکے تھے۔ شاہی وقار قلعہ معلی تک محدود ہو چکا تھا۔ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ درانی کے قتل عام نے دہلی کے رہے سہے وقار کا خاتمہ کر دیا تھا۔ بعد ازاں ابدالیوں،

مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں کے مسلسل حملوں نے مغل سلطنت کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا۔ اکبرِاعظم کے جانشیں شاہ عالم ثانی کے ساتھ غلام قادر روہیلے کے تاریخی انتقام نے نہ صرف شاہ وقت کی آنکھیں نکالی تھیں بلکہ مغل تہذیب کو بھی بصارت سے محروم کر دیا تھا۔ مختصر یہ کہ سلطنت کا شیرازہ بالکل منتشر ہو کر رہ گیا تھا۔ ایسے وقت میں :-

"۔۔۔۔ ریاستی فرماں روا صرف اپنے ذاتی مفاد کے تابع تھے۔ سرکاری خزانے عوام کی ترقی اور خوشحالی کے بجائے ایک دوسرے کے خلاف فوج کشی پر صرف ہو رہے تھے۔ باہمی جنگ و جدل اور کشت و خون کے سبب نہ صرف فوجی طاقت ضائع ہو رہی تھی بلکہ اقتصادی اور معاشی حالت بھی دیگر گوں ہوتی جا رہی تھی۔ دوسری طرف ان کا مقابلہ ایک ایسی قوم سے تھا جو بڑی حوصلہ مند اور بلا کی ذہین تھی۔ سیاسی حکمت عملی اور فوجی طاقت دونوں اعتبار سے اسے برتری حاصل تھی۔ انگریزوں کے پاس نہ صرف سامان حرب کی فراوانی تھی بلکہ وہ زبردست بحری طاقت کے بھی مالک تھے۔ ان کے مقابلے میں ہندوستانی پسماندہ اور منتشر تھے۔ باہم متحد ہو کر وہ انگریزوں کا مقابلہ کرتے تو ان کی سیاسی و اقتصادی چالوں کو ناکام بنا سکتے تھے لیکن اس وقت اتحاد کا یکسر فقدان تھا۔ انگریزوں نے اس کمزوری کا پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ سراج الدولہ کے قتل اور جنگ پلاسی کی کامیابی کے بعد انگریزوں کے پاؤں یہاں کافی مضبوط ہو گئے۔"[1]

بہار میں انگریزوں کی مخالفت و مزاحمت ہوئی لیکن راجہ رام نارائن موزوں، کامگار خاں، سندر سنگھ اور پہلوان سنگھ کی ساری کوششیں ناکام ہو گئیں۔ یہاں تک کہ بہار پر بھی انگریزوں کا اقتدار قائم ہو گیا۔ میر قاسم نے انگریزی سازش کو توڑنے کی کوشش کی لیکن وہ بھی سراج الدولہ

---

[1] صوفی منیری حیات اور شاعری صفحہ ۱۶ مصنفہ ڈاکٹر خالد رشید صبا۔

کی طرح اپنے ہی لوگوں کی غداری کا شکار ہو گئے۔ میر جعفر کو پھر نواب بنایا گیا اور اس کے انتقال کے بعد برائے نام اس کے خاندان کے دو افراد کو یکے بعد دیگرے نوابی کا اعجاز بخشا گیا لیکن در حقیقت اقتدار اعلیٰ انگریزوں ہی کے ہاتھوں میں رہا۔ راجہ شتاب رائے کے عہد میں لارڈ وارننگ ہسٹنگز نے انتظامی اصلاحات کا نفاذ کیا مگر ان کی کوششیں مشکور نہ ہوئیں بہار ایک خطرناک قحط کے نرغے میں پھنس گیا جس میں بہار کی سماجی، سیاسی، اقتصادی، معاشی اور تہذیبی قدروں کو درہم برہم کر دیا۔

انگریز بہار و بنگال کے بعد اودھ کو اپنا ہدف بنا چکے تھے۔ وہاں بھی شہنشاہ وقت کی عیش کوشی اور بے خبری اپنے عروج پر تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۵۶ء میں نواب واجد علی شاہ معزول کر دئے گئے۔ دہلی تک انگریزوں کی رسائی ہو چکی تھی شہنشاہ وقت نے مرہٹوں، سکھوں، راجپوتوں اور افغانوں کی سازش سے بچنے کے لئے انگریزوں سے سیاسی مدد لی تھی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انگریزوں نے:-

> "اپنی سیاست اور دخل اندازی سے ان تمام ہنگاموں کو ختم کیا جسے مرہٹوں، جاٹوں اور خود مسلمان امرا نے بھی برپا کر رکھا تھا ایک صدی کی افراتفری کے بعد لوگ مطمئن تو ضرور ہوئے لیکن بعد میں یہی انگریز ایک ایسے سیاسی استنبار کا ایسی سبب بنے جو تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے، جب ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک کی فوجیں دلّی میں داخل ہوئیں تو اسی وقت مسلمانوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور اس ملک کے باشندے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے۔۔۔"[۱]

غرض یہ کہ ۱۷۵۷ء سے ۱۸۵۷ء تک کا عہد ہندوستان میں مغل عروج کے خاتمہ اور انگریزوں کے اقتدار کے استحکام کا عہد ہے۔ ۱۸۵۷ء میں بہادر شاہ ظفر کی معزولی اور گرفتاری کے بعد فاتح قوم

۱۔ حضرت صوفی منیری کے نثری کارنامے مصنفہ ڈاکٹر محمد طیب ابدالی صفحہ ۲

نے مفتوح کے ساتھ وحشت و بربریت اور ظلم و ستم کا جو ثبوت پیش کیا اس کو دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔ سرسید کا رسالہ "اسباب بغاوت ہند" اور ایڈورڈ ٹونس کی کتاب "The other side of the Medal" (انقلاب ۱۸۵۷ء۔ تصویر کا دوسرا رخ۔ مترجمہ شیخ حسام الدین)۔ اس سفاکی اور بے پناہ بربریت کا تاریخی ثبوت ہے جس میں پورے ہندوستان کو معاشرتی، سماجی، انسانی، اخلاقی تہذیبی اور اقتصادی طور پر تباہ و برباد کر دیا۔ چند اقتباسات بطور ثبوت مندرجہ ذیل ہیں:

"ان بدمعاش مسلمانوں کو بتا دیا جائے کہ خدا کے حکم سے صرف انگریز ہی ہندوستان پر حکومت کریں گے۔"[1] ....

... "زندہ مسلمانوں کو سور کی کھال میں سینا یا پھانسی سے پہلے اس کے جسم پر سور کی چربی ملنا یا زندہ آگ میں جلانا یا ہندوستانیوں کو مجبور کرنا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بدفعلی کریں۔ ایسی مکروہ اور متعصبانہ حرکات کہ دنیا کی کوئی تہذیب بھی کبھی اجازت نہیں دیتی۔"[2]

... "ایک طرف تو فوجی قانون کے نفاذ کا اعلان کیا گیا اور دوسری طرف مجلس وضع آئین و قوانین نے مئی اور جون میں نہایت ہی خوفناک قوانین پاس کئے جن پر پوری سرگرمی سے عمل کیا گیا اور فوجیوں اور سول افسران نے خونی عدالتیں قائم کر کے ہندوستانیوں کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا بلکہ بعض حالات میں تو بغیر نام نہاد عدالت کے حکم سے بھی پھانسیاں دی گئیں جن میں مرد، عورت کی کوئی تمیز روا نہ رکھی ---- باغیوں کے علاوہ عام آبادی میں سے عورتوں، مردوں، بچوں اور بوڑھوں تک کو بھی پھانسی کے تختوں پر لٹکایا گیا۔ نہ صرف سولی پر ہی اکتفا کیا گیا بلکہ دیہات میں ان کو اپنے مکانوں میں بند کر کے آگ میں جلا کر خاکستر کر دیا گیا اور شاذونادر ہی کسی ایک کو گولی مارنے کی

---

1. RUSSEL, DIARY ii Page-43 (May 1858)
2. انقلاب ۱۸۵۷ء، تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ۳۴

تکلیف کی گئی ہو۔ انگریزوں نے نہ صرف اس طرح کی خوفناک سزاؤں کا فخریہ
اعلان کیا بلکہ خود اپنی یادداشتوں میں ان دردناک واقعات کا ذکر کرتے ہوئے
لکھا ہے کہ ہم نے حتی الامکان کسی ذی روح آبادی کو زندہ نہیں رہنے دیا یہاں تک
کہ ان سیاہ فام انسانوں کے زخموں پر نمک چھڑکنے کے نظاروں سے بھی اپنی
خون آشامی کی پیاس بجھا کر لطف اٹھاتے رہے ہیں"[1]

ان تمام اسباب و عوامل نے پورے ہندوستان کو ہمہ گیر سطح پر انتشار و اختلال اور زوال و بحران کا شکار بنا دیا اور ایک عظیم الشان تہذیب دیکھتے دیکھتے خاک بسر ہو گئی۔ بہار اور اس کا قصبہ منیر شریف بھی ان سیاسی ہنگامہ آرائیوں سے شدید طور پر متاثر ہوا اور بتدریج یہاں بھی اخلاقی، معاشرتی اور معاشی انتشار کے اثرات پڑے جنہوں نے مشرقی منیری کے عہد کو قیامت صغریٰ کا آئینہ دار بنا دیا۔

نئی حکومت اور نئے نظام تعلیم نے بہار کی خانقاہی روایتوں، تعلیمی اداروں اور روحانی عظمتوں کی دیواروں کو منہدم کر دیا بقول ڈاکٹر محمد طیب ابدالی:

"حضرت صوفی منیری کے زمانے میں خانقاہیں، درگاہیں اور آستانے تو
قائم تھے مگر ان میں بہت کچھ تبدیلی واقع ہو چکی تھیں ان میں بہتوں کا صرف
نام ہی رہ گیا اور یادیں بھی رفتہ رفتہ فراموش ہو رہی ہیں۔۔۔۔۔ حضرت
صوفی منیری کے عہد میں ان کی حالت اور بھی زبوں سے زبوں تر ہو چکی تھی"[2]

اس انتشار و بحران کی پیدا کردہ یہی سماجی اور معاشرتی فضا تھی جو مشرقی منیری کو ورثہ میں ملی لیکن ایک بات قابل غور ہے کہ اس عہد میں ساری تباہیوں اور بربادیوں کے باوجود مسلمانوں کے تہذیبی قصبات میں پورانی ادبی، علمی اور جمالیاتی قدروں کو بڑی حد تک زمانے کی نگاہوں سے بچا کر رکھا گیا تھا۔ قصبہ منیر شریف اس اعتبار سے بہار کا ایک اہم ادبی و علمی مرکز تھا جو بہار کے صدر مقام

---

[1] NAYE – BOOK V Chapter IInd, Page 43

[2] حضرت صوفی منیری کے نثری کارنامے مصنفہ ڈاکٹر محمد طیب ابدالی ص ۱۵

عظیم آباد سے قدرے مسافت پر ہونے کے باوجود اپنی انفرادیت رکھتا تھا اور ان تمام جمالیاتی
قدروں اور اصلاحی تحریکوں سے وابستہ رہا تھا جو ملک گیر پیمانے پر سامنے آئی تھیں۔

بہار میں اردو زبان و ادب کی روایت کا سراغ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰؒ منیری سے ملتا ہے
جن کا سنہ ولادت ۶۶۳ھ/۱۲۶۳ء اور سن وفات ۷۸۲ھ/۱۳۸۰ء ہے۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے اپنے رسالہ "اردو
کے نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام" میں حضرت موصوف کی شخصیت کے اس پہلو پر درج ذیل الفاظ
میں روشنی ڈالی ہے۔

"اس زمانے کے ایک بزرگ اور صوفی کامل شیخ شرف الدین یحییٰؒ منیری ہیں۔
ولادت ۶۶۱ھ (۱۲۶۳ء/۶۶۲ھ) وفات سن ۱۳۸۰ء/۷۸۲ھ منیر
بہار کا ایک قصبہ ہے اور اسی سے منسوب ہیں۔ پوربی اور ہندی بھاشا کے
شاعر تھے... ۱ه"

پروفیسر محمود شیرانی سے جمیل جالبی تک مختلف محققین نے حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ
کی لسانی خدمت اور شاعرانہ اولیت کا اعتراف کیا ہے۔

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰؒ منیری کے بعد ایک عرصے تک بہار کی ادبی کاوش پردۂ خفا میں
نظر آتی ہے لیکن ۱۱۰۰ھ سے یہاں اردو ادب تاریخی تسلسل کے ساتھ ملتا ہے۔ مرزا عبدالقادر
بیدل عظیم آبادی، ملا محمد علیم تحقیق، شاہ آیت اللہ جوہری، غلام یحییٰ حضور، شیخ محمد روشن جوشش
عظیم آبادی، شاہ احسان اللہ چاند پوری، غلام علی راسخ عظیم آبادی، شاہ ابوالحسن فرد پھلواروی
اور شاہ نور الحق طپاں وغیرہ اردو شاعری کی تاریخ میں قابل قدر اہمیت رکھتے ہیں۔ ان حضرات کے
علاوہ اشرف علی فغاں، میر محمد باقر حزیں، شاہ رکن الدین عشق، مرزا علی فدوی، مہاراجہ کلیان سنگھ
عاشق، ضیا عظیم آبادی وغیرہ ایسے شعرا ہیں جنہوں نے سرزمین بہار کی ادب نوازی کی اس طرح
داد دی کہ یہیں پیوند خاک ہوئے۔ کلاسیکی عہد کے مذکورہ بالا شعرائے بہار کے ادبی مزاج و میلان

۱ه ص ۱۰

کی منفرد تعمیر و تشکیل کی۔ دبستان دہلی اور دبستان لکھنؤ کے ہنگاموں سے الگ ہو کر ان شعراء نے اپنی الگ بساطِ سخن قائم کی جس میں داخلیت اور روحانیت کو مرکزیت حاصل تھی۔ حضرت فرزند علی صوفی منیری تلمیذ غالب دہلوی بہار کے کلاسیکی عہد کے ادبی روایت کے آخری امین تھے جن کے ممتاز ہم عصروں میں حسرت عظیم آبادی، شوق نیموی، امداد امام اثر، اختر بہاری، عطا بہاری، عبدالحمید پریشاں، شاد عظیم آبادی، عبدالغفور شہباز، صغیر بلگرامی، اکبر دانا پوری، فضل حق آزاد، دل سنڈوی، شوق بہاری، خیال رسول پوری، عرفان اسلام پوری، تسنیم ہلسوی وغیرہ ہیں۔ بڑی حد تک مشرقی منیری بھی ان شعراء کے ہم عصروں میں شمار ہوتے ہیں۔

حضرت صوفی منیری کے زیر اثر مشرقی منیری کے مزاج سخن کی تعمیر و تہذیب ہوئی ہے اس لئے ان کے فن پر حضرت صوفی منیری کے واسطے سے غالب کے شعری روایتوں کے اثرات ملتے ہیں گرچہ اس عہد میں آزاد، حالی، شبلی اور اسمٰعیل میرٹھی کی کوششوں اور سر سید کی اصلاحی تحریک کے زیر اثر اردو ادب کی سمت نصب العین اور رفتار میں تبدیلی پیدا ہو رہی تھی اور ادب و فن کو سماجی عمل کی حیثیت سے دیکھا جانے لگا تھا۔ مختلف سماجی، معاشرتی اور تہذیبی مسائل پر پُر زور و علاقی نظمیں لکھی جانے لگی تھیں۔ مغربی علم و ادب کی واقفیت نے ادبی مزاج اور تنقیدی شعور کو بیدار کر دیا تھا۔ مقدمہ شعر و شاعری، آب حیات، کاشف الحقائق اور اسی طرح دوسری تنقیدی تصنیفات نے ہندوستان گیر پیمانے پر جمالیاتی ذوق و مزاج میں تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ نئے ہیئتی اور صنفی تجربے ہو رہے تھے۔ مسدس حالی نے نئے شعری مزاج میں اہم کردار عطا کیا تھا۔ ان تمام انقلابات کے باوجود مشرقی منیری کے یہاں کلاسیکی اور روایتی ہیئت و اسلوب ملتا ہے جس کا سبب مشرقی منیری کا اپنا ذاتی گھریلو اور ادبی ماحول تھا جہاں نئی روشنی پہنچی تو ضرور لیکن اپنی شاندار روایتوں کے چمکتے ہوئے سورج کے سامنے بجھ کر رہ گئی۔

بہار میں قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، غزل، رباعی، قطعہ، ترجیع بند، ترکیب بند، مخمس، غرضیکہ کم و بیش ہر صنف میں طبع آزمائی کی گئی ہے۔ مشرقی منیری کے کلیات میں بھی ان صنفوں میں طبع آزمائی ملتی ہے۔ لیکن آزاد اور حالی کے زیر اثر جس طرح عبدالغفور شہباز، فضل حق آزاد،

اصغر بہاری اور کسی حد تک شاد عظیم آبادی نے جدید نظمیں لکھیں اس طرح کی کوئی روایت مشرقی میزی کے یہاں نہیں ملتی۔

بہار میں اردو نثر نگاری سے بھی دلچسپی کا اظہار قدیم ہے۔ حضرت ظہور الحق ظہور متوفی ۱۲۳۳ھ کے کئی رسالے ملتے ہیں۔ حضرت مخدوم شاہ حسن علی متوفی ۱۲۳۲ھ حضرت تقی حسن بلخی متوفی ۱۲۵۵ھ حضرت بن محمد اسحٰق عرف پیر دمڑیا عظیم آبادی، محمد احسن گیلانی گیلانی متوفی ۱۲۶۶ھ شجاع الدین علی متوفی ۱۲۵۷ھ شاہ عطا حسن منعمی متوفی ۱۳۱۱ھ وغیرہ نے مذہبی و دینی نثر کو فروغ دیا۔ عالم علی عظیم آبادی نے "بوستان خیال" کا ترجمہ کیا۔ اس داستان کا ترجمہ صفیر بلگرامی نے بھی دس جلدوں میں کیا ہے۔ خواجہ فخر الدین سخن دہلوی کی تمام ادبی تخلیقات کا مولد بہار ہی ہے اس لیے ان کا شمار بھی بہار ہی کے ادیبوں میں کیا جاتا ہے۔ ان کی تصنیف "سروش سخن" ۱۸۶۰ء میں سامنے آئی۔ یہ "فسانۂ عجائب" کا جواب ہے اور تمثیلی داستان نگاری کی روایت کا ایک اہم سنگ میل ہے۔ اس کا قطعۂ تاریخ حضرت صوفی میزی نے لکھا ہے۔ اس طرح محمد اعظم علی، سید افضل الدین عظیم آبادی، صفیر بلگرامی، رشیدۃ النسا اور علی سجاد عظیم آبادی وغیرہ نے داستانی روایت کو ناول نگاری کی روایت سے ہم آہنگ کیا۔

تذکرہ نگاری اور تنقید نگاری میں بھی صفیر بلگرامی، عبدالغفور شہباز، امداد امام اثر، شاد عظیم آبادی، شوق نیموی، عبدالغنی استھانوی، نصیر حسین خیال اور راکبر دانا پوری وغیرہ نے بیسویں صدی سے قبل اہم خدمات ادا کیں اور اردو نثر کو باوقار بنانے میں قابل قدر حصہ لیا۔

صحافت میں بھی بہار ابتدا ہی سے اہم کردار ادا کرتا رہا ہے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء سے پہلے پٹنہ سے "ہرکارہ" اخبار شائع ہوا۔ بعد ازاں "آرہ گزٹ" "اخبار الاخیار" "اپنچ" کے علاوہ عظیم آباد، گیا، آرہ، مظفرپور، بہار شریف، دربھنگہ اور سارن سے کئی اخبارات نکلے۔ غرض یہ کہ مشرقی میزی کا ادبی پس منظر بڑا فعال، سرگرم اور متحرک تھا۔ بہار مختلف نثری اور شعری صنفوں میں اردو کے دوسرے ادبی مراکز کے دوش بدوش سرگرم سفر تھا۔ اس عہد

ہیں مشرقی مینری نے فکر وسخن کی طرف باضابطہ طور پر توجہ دی۔ حضرت صوفی مینری اور عبدالحمید پریشاں عظیم آبادی کی رہنمائی نے ان کے جمالیاتی ذوق کی تہذیب و تحسین کی اور اس طرح وہ اپنے ہم عصروں میں ممتاز و منفرد ادبی عظمتوں و اہمیت کے مالک ہوئے۔

کلیات کا تعارف

کلیات مشرقی منیری کا پیش نظر مخطوطہ راقم الحروف کو کتب خانہ قادریہ اسلام پور ضلع نالندہ سے دستیاب ہوا ہے۔ یہ شاعر کا خود نوشت ہے۔ اس کے صفحہ اول پر کتب خانہ ہذا کی مہر لگی ہوئی ہے۔ مشرقی منیری کی رحلت کے بعد ان کے حقیقی بھانجے حضرت سید شاہ ابوالبرکات مشرب اسلام پوری نے اس کلیات کو خانقاہ منیر شریف سے اپنے ہمراہ اسلام پور لائے اور اب یہ کتب خانہ قادریہ اسلام پور کی زینت ہے۔

یہ خود نوشت کلیات دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ فارسی کلام پر محیط ہے۔ شاعر نے اس حصہ کو "بضاعت مزجات" سے موسوم کیا ہے۔ فارسی کلیات کی ابتدا میں تقریباً ساڑھے بارہ صفحے کا ایک دیباچہ فارسی میں شامل کیا گیا ہے جس میں مشرقی منیری نے اپنی شعر گوئی اور اپنی فطرت کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد دیوان کا آغاز ہوتا ہے۔ فارسی دیوان کی ابتدا قصائد سے ہوتی ہے۔ یہ قصیدے حمد، نعت اور منقبت میں ملتے ہیں۔ ایک قصیدہ عربی زبان میں بھی ہے۔ ایک قصیدہ سلطان عبدالحمید خاں کی مدح میں کہا گیا ہے۔ قصیدہ کے اختتام پر ایک عربی قطعہ بھی ملتا ہے۔ بعد ازاں فارسی قطعات ملتے ہیں۔ ان میں چھوٹے بڑے متعدد قصائد شامل ہیں۔ عربی میں بعض قطعے آگے بھی ملتے ہیں۔ قطعات کا سلسلہ صفحہ چالیس پر ختم ہوتا ہے۔ صفحہ بیالیس سے ترکیب بند ملتے ہیں، جو صفحہ تینتالیس پر ختم ہو جاتے ہیں۔ صفحہ چوالیس خالی ہے اور صفحہ پینتالیس پر مثنویات مشرقی منیری مرقوم ہے۔ یہ سلسلہ قدرے طویل ہے۔ کئی بعد و گیرے کئی مثنویاں انہوں نے پیش کی ہیں۔ صفحہ اکاسی کے شروع میں مثنویات کا سلسلہ مکمل ہو جاتا ہے

اور صفحہ ۱۸ کا بیشتر حصہ اور صفحہ ۱۸ پورے کا پورا سادہ ہے۔

صفحہ ۴۳ دیوان غزلیات مشرقی منیری کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور صفحہ ۴۸ پر بعض اشعار حاشیہ میں درج ہے۔ صفحہ ۹۸ پر بھی حاشیہ پر اشعار ملتے ہیں۔ یہ صورتحال جا بجا نظر آتی ہے۔ صفحہ ۱۱۱ پر فارسی غزلوں کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ صفحہ ۱۱۲ سے صفحہ ۱۱۶ تک میں جو مختلف صنعتوں میں لکھی گئی ہیں۔ صفحہ ۱۱۷ سے صفحہ ۱۲۱ تک خاتمہ کلیات مشرقی منیری کے عنوان سے شاعر نے کچھ معروضات پیش کئے ہیں اور صفحہ ۱۲۳ پر قطعہ تاریخ اپنی کتاب کے عنوان سے درج ذیل قطعہ ہے (فارسی قطعہ) ؎

بعد الحمد کہ ایں نامۂ نغز　　ہست گلدستۂ گلزار شرف
سنۂ ختم کتاب دل گفت　　چمن دولت بہار شرف
۱۲۳۰ھ

صفحہ ۱۲۴ پر اردو کلیات مشرقی" موسوم و مغتنمات" درج ہے۔ اس صفحہ پر سرنوشت درج ذیل شعر ہے ؎

میرے سر لطف تھے جو اسرار و نکات　　تاراج ہوئے ز دست جنوں ہیہات
ہاتھ آیا جو ان میں سے مرے حافظ کو　　یہ نامہ ہے نام اس کا ہوا مغتنمات

جس سے ان کے اردو کلیات کی وجہ تسمیہ سامنے آتی ہے۔ اردو کلیات کے آغاز میں تقریباً بارہ صفحات پر اردو زبان میں خود نوشت دیباچہ ملتا ہے۔ بعد ازاں اردو قصائد ملتے ہیں جو تقریباً پینتیس ۳۵ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ صفحہ ۳۶ سے قطعات کی ترتیب کی گئی ہے جو صفحہ ۴۲ کا احاطہ کرتے ہیں۔ صفحہ ۴۳ سے صفحہ ۵۵ تک ایک مثنوی موسوم بہ "حقیقت التجربتا" مرقوم ہے جس کی تاریخ تکمیل ۱۲۳۱ھ ہے۔ صفحہ ۵۹ کا بیشتر حصہ اور صفحہ ۶۰ مکمل طور پر سادہ ہے۔ صفحہ ۶۱ سے دیوان غزلیات شروع ہوتا ہے۔ صفحہ ۹۹ تک اسّی مکمل اور چالیس غیر مکمل غزلیں ضبط تحریر میں لائی گئی ہیں اور آخر میں دس رباعیاں ملتی ہیں۔ کلیات کے اختتام پر خاتمہ کلیات اردو مشرقی منیری کے عنوان سے تقریباً پانچ صفحات پر مشتمل شاعر کی خود نوشت معروضات بھی ملتی ہیں جن میں بعض مفید اور کار آمد باتیں بیان کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر مشرقی منیری نے اس

حصہ میں پیش نظر دیوان کی تکمیل کتابت کی وضاحت کی ہے۔ لکھتے ہیں :

"الغرض اس عنوان سے میں نے تھوڑے دنوں میں انہیں جمع کر لیا مگر چند در چند تعلقات کی وجہ سے ان کے صاف کرنے کا اتفاق نہ ہوا۔ . . . . دو برسوں کے بعد کہ ۱۲۲۳ھ راقم کا سن بیالیس[۴۲] برس کا ہے۔ وقت نے موافقت کی ہے جو اپنے سچے احباب کی خواہش کے مطابق یہ مجموعہ صاف کر کے ان کے آگے پیش کیا جاتا ہے"[۱]

مختصر یہ کہ مشرقی کا کلیات اردو دیباچہ اور خاتمہ کتاب کی عبارت کے علاوہ ستاسی صفحات پر مشتمل ہے جس میں سات قصائد گیارہ[۱۱] قطعات ایک مثنوی ایک سو بیس[۱۲۰] غزلیں موجود ہیں۔

خود نوشت کلیات کے علاوہ مجھے دوسرے ذرائع سے مشرقی کی چوبیس[۲۴] مکمل اور انیس[۱۹] نامکمل غزلیں دستیاب ہوئی ہیں جن کا ایک متوازن انتخاب اس کتاب میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اس مخطوطہ کا سائز ۲۵×۱۶ سی۔ م ہے۔ پورا کلیات سیاہ روشنی سے خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ کاغذ دبیز ہے لیکن یہ قلمی نسخہ اندر سے نہایت ہی بوسیدہ حالت میں ہے جس کے تحفظ کی کوشش حاشیہ پر کاغذ چسپاں کر کے کی گئی ہے۔ کاغذ کا رنگ بادامی ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا ہے یہ شاعر کا خود نوشت مخطوطہ ہے جس کی تائید خاتمہ کلیات اردو میں شاعر کے درج ذیل بیان سے ہوتی ہے۔

"خداوند تعالیٰ کا شکر میں کس زبان سے ادا کروں جس نے باوجود متعدد الائق مجھے میرے اشعار صاف کرا کر میرے ولی احباب کی خدمتوں میں پیش کرنے کی توفیق دی۔ یہ کیا کم شکر کا مقام ہے کہ میں اپنے دست و قلم سے اپنے دوستوں کی تکمیل حکم کر سکا"[۲]

۱؎ خاتمہ کلیات اردو مخطوطہ صفحہ ۱۰۲۔ ۲؎ خاتمہ کلیات اردو مخطوطہ صفحہ ۱۰۱۔

کلیات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مشرقی مینری نے کلیات کی کتابت کی تکمیل کے بعد بھی کلام پر نظر ثانی کی ہے۔ تحشیہ میں کافی اشعار قلمزد کیے گئے ہیں اور ترمیم و اضافہ کے بعد پھر سے تحریر کیے گئے ہیں۔ اس سے مشرقی مینری کے خلوص و فن کا اندازہ ہوتا ہے۔

جائزۂ کلام

مشرقی منیری نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں تخلیقی تجربے کئے ہیں۔ ان کا کلیات فارسی اور اردو کی مختلف صنفوں میں ان کے اختراعات فائقہ کا ایک روشن ثبوت ہے۔ قصیدہ، مثنوی، غزل، رباعی، قطعہ اور دوسری مروجہ اصناف میں مشرقی منیری نے انفرادی تخلیقی ذہن و شخصیت کا اظہار کیا ہے۔ کلام کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ فارسی اور اردو کے شعری روایت سے معتبر شناسائی رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے اس شعور وفن اور احساس روایت کی اس بنیاد پر عصری زندگی کے نشیب و فراز کا تخلیقی جائزہ لیا ہے جس نے ان کے کلام کو ندرت وجدت کی خوبیوں سے متصف کر دیا ہے۔ ان کے کلیات میں ان کی عربی شاعری کے بھی بعض نمونے ملتے ہیں۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ مشرقی منیری نے نہ صرف فارسی و اردو کے شعری روایت کا پختہ شعور رکھتے تھے بلکہ عربی ادب کی دیرینہ روایتوں سے بھی واقف تھے۔ عربی ادب وفن اور جمالیات کے ادراک و احساس نے ان کی فارسی و اردو شاعری کو تخلیقی جلا بخشی ہے۔

دراصل مشرقی منیری کی تعلیم و تربیت مشرقی آداب و تہذیب اور روایت و نصاب کے زیر اثر ہوئی تھی۔ انہوں نے عربی کی تعلیم حضرت مولانا حکیم رفیق شہباز پوری[1] ثم اسلامپوری سے حاصل کی جو اپنے عہد کے ایک جید عالم اور مجموعہ اوصاف و کمالات بزرگ تھے۔ اس طرح انہوں نے فارسی کی دستگاہ حضرت فرزند علی عوفی منیری سے حاصل کی اور انہیں سے اصلاح سخن

---

[1] آپ کا وطن شہباز پور علاقہ پن پنا ضلع گیا تھا۔

بھی لی۔ اس پر مزید جلا آفرینی حکیم عبدالحمید پریشاں عظیم آبادی کی صحبتوں نے کی جو خود بھی عربی۔ فارسی اور اردو ادب و فن کے نہ صرف ایک معتبر پارکھ تھے بلکہ ان زبانوں میں تخلیقی تجربات کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ مشرقی منیری نے ان جیسا استاذ فن کی رہنمائی میں اصول فن اور نکاتِ سخن پر مکمل دستگیری حاصل کی حضرت شوقی منیری کے واسطے سے ان کی رسائی غالب کے مزاجِ سخن تک ہوئی۔ احترام روایت کی بنیاد پر فکر و فن کے نئے زاویوں اور گوشوں کی تلاش اور ان کا پر اثر اظہار مشرقی منیری کو اسی علمی جہاد سے حاصل ہوا۔ ان ہی فنی خصائص نے مشرقی منیری کو اپنے ہم عصر شعراء کے درمیان انفرادی قدر و منزلت بخشی۔

مشرقی منیری کے قابل ذکر ہم عصروں میں شفاؔ اسلام پوری، اصغر بہاری، ولی سنڈوی، عطا بہاری، شوق بہاری، شہباز، اکبر دانا پوری، شاد عظیم آبادی، آزاد شاہو بگھوی، امداد امام اثر اور صفیر بلگرامی وغیرہ جیسی مستند اور معتبر شخصیتیں تھیں۔ ایسی منفرد اور ممتاز بزم سخن میں اپنے جوہر طبع کی انفرادیت کا قیام کوئی آسان کام نہ تھا لیکن اپنی خداداد صلاحیت، فنی ریاضت، علمی استعداد، شعور روایت، ادراک جمالیات اور انفرادی تخلیقی شخصیت کی بنیاد پر مشرقی منیری نے ان تمام اساتذہ فن سے داد سخن حاصل کی ہے اور اپنی نادر الکلام اور قادر البیان شخصیت کے اظہار سے ایک معتبر فنکارانہ وقار حاصل کیا ہے۔ گرچہ ان کا پورا کلام پیش نظر نہیں اس لئے کہ انہوں نے اپنے کلام کا بیشتر حصہ اپنی صوفی منش طبیعت اور زمانہ کی ستم ظریفی سے دل برداشتگی کی بنا پر خود ہی ضائع کر دیا۔ اس کے باوجود جو باقی ماندہ سرمایۂ سخن پیش نظر ہے وہ اس بات کا شاہد ہے کہ مشرقی منیری فطرت کی طرف سے خلاقانہ ذہن و شخصیت لے کر آئے تھے۔

شعر و سخن سے مشرقی منیری کی فطری وابستگی کا اندازہ اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے کم عمری ہی سے اپنی موزونیٔ طبع کا اظہار کرنا شروع کر دیا تھا جس کا ایک سبب تو وہ ماحول و فضا ہے جس میں مشرقی منیری کی پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت ہوئی جیسا کہ پچھلے ابواب میں عرض کیا گیا۔ قصبہ منیر شریف مشترکہ ہند اسلامی تہذیب کے دور آغاز ہی سے شعر و سخن کا مرکز بن گیا تھا۔ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری اور ان کی تخلیقی شخصیت پر پچھلے اوراق میں اجمالی روشنی ڈالی

گئی ہے۔ قصبہ منیر شریف کی تاریخ غماز ہے کہ حضرت شیخ موصوف کے بعد بھی یہاں کے بزرگوں نے علم و ادب کی ترویج و اشاعت میں اپنے ہم عصر فنکاروں کے دوش بدوش ممتاز خدمتیں انجام دی ہیں اور یہی روایت مشرقی منیری کے عہد میں بھی قصبہ منیر شریف کی خصوصیت رہی ہے۔
خود حضرت صوفی منیری کی ذات گرامی تنہا اس بات کا درخشاں ثبوت ہے کہ مشرقی منیری کا بچپن بے حد قابل قدر علمی و ادبی ماحول میں گزرا۔ یہ امر بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ مشرقی منیری کے دونو بزرگوار خود بھی جانزادہ ادب و فن تھے۔ پھر یہ کہ غالب جیسی عہد آفریں شخصیت نے حضرت صوفی منیری کو اپنے حلقۂ تلامذہ میں شامل کیا۔ غالب اور صوفی کے مکاتیب اور دوسرے احوال شاہد ہیں کہ غالب کے نزدیک حضرت صوفی منیری کی جمالیاتی شخصیت قابل قدر بھی تھی اور ممتاز و منفرد بھی۔ ایسے وقیع، معتبر اور ہمہ گیر ادبی ماحول میں مشرقی منیری کے ذوق سخن کی تہذیب و ترتیب ہوئی جس نے ان کو علم العروض، علم البلاغت اور دوسرے نکات فن کا قابل اعتبار ادراک بخش دیا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بعض ممتاز شعراء کی فنی کمزوریوں پر سنجیدہ تعریض و تنقید کی۔ گرچہ بعد میں ان کی فقیرانہ بے نیازی نے اس سلسلے کو پسند نہیں کیا اور دوسرے اسباب و عوامل سے قطع نظر ان کی شخصیت کا متصوفانہ رجحان بھی ان کے کلام کی بربادی کا سبب ہوا۔ انہوں نے اپنے فارسی و اردو کلیات کے دیباچہ میں اپنی شعر گوئی کے آغاز، اپنے مزاج کلام، اپنے نظریۂ فن، اور اپنے سرمایۂ سخن کی بربادی اور اس کی از سر نو ترتیب و تدوین کے پہلو پر ایک اجمالی نگاہ ڈالی ہے۔ مشرقی منیری کے انداز و فکر و فہم کے لئے اس دیباچہ کو پیش نظر رکھنا ناگزیر ہے۔ ان کے کلیات اردو کے دیباچہ کے اہم حصے مندرجہ ذیل ہیں:

"یعنی مجھے بارہواں برس اور میری طالب علمی کا زمانہ تھا کہ دفعتاً میری زبان سے مناجات میں ایک شعر نکلا جو فارسی میں تھا۔ مجھے سخت تعجب ہوا اور لوگوں کو سنایا تو بہت کچھ داد ملی۔ پھر تو تعریف کا مزہ ملا اسی وقت سے الفاظ جوڑ جوڑ کر شعر بنانے لگا اور جب پڑھنے سے فرصت ملتی تو شعر گوئی میں اوقات صرف کرتا۔ چوں طبیعت خداداد موزوں واقع ہوئی اور کتب بینی

کا بھی شوق تھا۔ زمانہ طالب العلمی ہی میں مجھے حسن و قبیح شاعری پر تھوڑے ہی دنوں میں اطلاع ہو گئی۔ اپنے کلام پر آپ ہی نظر غائر ڈالتا اور اس کی خود جانچ پڑتال کیا کرتا۔ اخباروں اور گلدستوں میں بہترین غزلیں بھیجتا۔ جہاں کہیں مشاعرہ کی خبر سنتا غزل کہہ کر بھیج دیتا۔ اس زمانہ کے چند شعر جو یاد ہیں ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے عرض کرتا ہوں ۔۔

تمہیں خورشید کا شب ہو گماں تھا ۔۔۔ وہ میرا داغ دل آتش فشاں تھا

یہ لب خشک ہمارا تو کبھی تر ہوتا ۔۔۔ گر لب جو لب ساغر، لب دلبر ہوتا

کیا آئینہ سے بجا ہے مقابلہ دل کا ۔۔۔ کہ پاس دم ہے اوس رنگ تو جلا دل کا

قدم کا بوسہ جو مانگا تو ہم نے کیا مانگا ۔۔۔ کہ تم سے چاہیے کچھ اور ہی صلا دل کا

اک جرعہ جو پلا دیں تو سب رنج دور ہوں ۔۔۔ ہم تجھ سے شیخ کیا ہیں جو سو بار چھو کریں

رباعی:

خنجر ہوا ابرو کا اشارا ہم کو ۔۔۔ اک تیر ہوا اس کا نظارا ہم کو

اس نرگس بیمار نے مارا ہم کو ۔۔۔ بیمار کو قتل کرتے کس نے دیکھا

اونیسویں برس کی عمر میں تحصیل درسی کو جو علم طب کے سوا ابھی تمام بھی نہ ہونے پائی تھی اتفاقاً مجھے چھوڑ کر الگ ہونا پڑا۔ پھر کیا تھا اب تو میں تھا اور ایک فکر سخن دن رات یہی خیال اور یہی سودا تھا۔ پہلے میں نے اپنی طالب العلمی کے زمانے کے کلام کو انتخاب کیا جو متوسط درجے کا ایک دیوان ہو چکا تھا۔ اس میں سے اکثر اشعار چھانٹ دیئے گئے، اور کمتر باقی رکھے گئے۔ میرا خیال اگر غلطی نہ کرے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کل سے شاید ایک ربع باقی رہا ہو۔ اس زمانے میں مجھے شاعری کی طرف کچھ ایسا انہماک تھا جسے جنون یا مالیخولیا کہنا ہر گز بے جا نہ تھا۔ مجھے الفاظ کی صحت، مضامین کی جدت، عبارت کی شستگی، محاورے کی بے تکلفی کا بڑا خیال رہتا تھا۔ غلط الفاظ اور غلط ترکیبیں کیا کہ غریب الفاظ اور غریب ترکیبیں جن سے اکثر مشاہیر شعرا ہمعصر بھی بچ نہیں سکے،

میں کبھی استعمال کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ تخلیق کو تقلید پر ترجیح کیا کرتا تھا اس لئے کہ میری نظر میں اکثر مشاہیر حضرات کے کلام بھی لفظی اور معنوی لغزشوں سے کمتر خالی نظر آتے تھے۔ کسی کلام کا سبھی عام اس سے کہ کسی نامور سخنور کا ہی کیوں نہ ہو بے لاپچ پڑھتا لے دل میں جگہ نہ بناتا۔ تقلید رسمی سے ہر شعر کو مستند مان لینا اور غور و فکر کو راہ دینا میری طبیعت سے دور تھا۔ اسی دیوانگی کا یہ اثر تھا کہ وہ الفاظ جو ہمعصر حضرات نے ترک کرنے شروع کر دیئے ہیں اور اس ترک سے قادرالکلامی کا ثبوت دیتے ہیں، میں بعض کے سوا سبھی کو قابل استعمال جانتا تھا جیسے جوکہ یا کہ جسطرح کہ۔ جسطرح جیسے۔ جسطرح پر۔ بجائے جسطرح اور جوکہ۔ کیسے۔ کسطرح پر۔ کسطرح جیسے بجائے کسطرح۔ کاہے بجائے کیوں۔ اک بجائے ایک۔ تلک بجائے تک۔ جبکہ بجائے جب۔ واں یاں بجائے وہاں یہاں او بجائے اور۔ میں سے، پہ بجائے پر۔ وہ یہ بھی اظہار ہائے ہو بڑھ کے کہا کر کے وغیرہ بجائے۔ رٹھکر کیا ٹھہانا بجائے بٹھلانا لکھا اور ٹھہا غیر مشدد بجائے مشدد میرے نزدیک فصیح اور جائز ہے۔ جان ایمان جیسے فارسی عربی الفاظ میں نون کے اعلان کو بھی مثل اردو الفاظ و بیان پہچان کے ضروری نہیں جانتا تھا اور میں نہ ہی ہمزہ کا ساقط کرنا یا الف کے مد کا قصر بھی مجھے ناپسند نہ تھا لیکن ان کے ساتھ واو کا بھی وزن سے گرجانا میں اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ میرے ان خیالات کا سبب یہ تھا کہ نظم میں ہمیشہ نثر کے اعتبار سے کچھ رخصت دی جاتی ہے اور تخفیف جائز سمجھی جاتی ہے۔ اگر یہ باتیں ناجائز قرار دی جائیں تو ہزارہا عمدہ مضامین کا ناس ہو جائے اور خوبی سے بندہ ہی تسکین میرو مرزا سے لیکر آج تک جو الفاظ ترک ہوئے انہیں زمانہ کی گردشوں نے زبانوں پر جاری نہ رکھا جیسا کہ نداں، کہانیاں جائے ہے بات کر نہیں آتی وغیرہ مگر جو الفاظ فصحا اور عوام اہل زبان آج کل بکثرت بولتے ہیں ان کے ترک پر زور دینے کے کوئی معنی نہیں اور تخفیف اور رخصت کو جو شاعری کی جان ہے شعر سے نکال

دینا بیشتر مضامین کی بندشوں کی راہ کو روک دیتا ہے اور اگر وہ کسی نہ کسی طرح ان رعایتوں کے ساتھ لکھ بھی جائیں تو بندشیں اچھی نہ ہوگی اور اس بات کا نباہ تو غزلوں میں آسان بھی ہے کیوں کہ غزل کا ہر شعر جداگانہ مضمون پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور ان شعروں میں سلسلہ نظم کی رعایت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن مثنوی خاص کر ان وزنوں میں جو محض ہی مختصر ہیں مشکل کا سامنا ہو جائے گا اور واقعات لکھنے ہی محال ہو جائیں گے اور اگر بدقت کچھ لکھے بھی جائیں تو طرز ادا ٹھیک نہ ہوگی حالاں کہ شعروں میں ہر واقعہ طول ہو یا مختصر اچھی ترکیب سے باندھنا ہی شاعری ہے بعض موقع شاعری میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسی تخفیف کے ساتھ الفاظ کا استعمال کرنا بڑا آسان اور فصیح معلوم ہوتا چنانچہ فقیر کا شعر ہے ؎

اوس حسن کی جھلک نے بجلی سی گرا کے جیسی
کیا دفعتہً لگا دی اک آگ تن بدن میں

اس میں ایک آگ کی جگہ اک آگ پڑھ سکتے ہیں لیکن صاحب سلیم پر مخفی نہیں کہ اس فوری حالت کے بیان میں نثر میں بھی اس عبارت میں جو اک آگ کہنے میں جذبِ شوق کا پتا دیتا ہے وہ ایک آگ میں بوجہ تصنع حاصل نہیں ہوتا تو شعر میں بدرجہ اولی نہیں ہو سکتا اور شاعری تو صرف غزل گوئی کا نام نہیں جس پر ایک حضرات جان و دل سے شیدا ہیں اور جس کو ہر کم استعداد بھی برت لیتا ہے۔ فارسی زبان، کا بھی جو اردو کی ماں ہے اگرچہ فردوسی و رودکی کے وقت سے صائب و حزیں تک رنگ بدلا بعض لغات اور بعض محاورات ضرور متروک ہوئے مگر اس تخفیف اور رخصت کا طریقہ کبھی ترک نہ ہوا جیسے چو اور رہو بجائے چوں بچوں راہ کی جگہ رہ، نگاہ کی جگہ نگہ، اکنوں کی جگہ کنوں، شر شیر کی جگہ خرامید بہ تشدید تخفیف آئینہ بیائی تحتانی اور بغیر تحتانی۔ خلاصہ یہ ہے کہ کتنے الفاظ ہیں جن میں رخصت اور ابتدائے زمانہ شاعری سے آج تک ان میں تبدیلی نہیں ہوئی اور سچ پوچھو تو

ایک غزل گوئی کو صرف شاعری سمجھنا اس فن کے لیے ایک بڑا دھبا ہے اور اس کے کمال میں سخت نقصان کا داغ لگاتا ہے اس لیے کہ شاعری سے جو علم بیان میں ایک بے نظیر فن ہے واقعات و اخلاق اور مواعظ و حکمت کو پُراثر بنانے کے لیے کوئی دوسرا آلہ نہیں جب اس میں ایسی قید و بند لگا دی جائیں گی تو بیان کا سلسلہ کبھی پُراثر باقی نہیں رہے گا اور کھینچ و تان سے فطرتی کشش باطل ہو جائے گی اور ہر وزن میں ایسے مضامین کا باندھنا محال ہو جائے گا اور غزل تو صرف ایک ایسا فن ہے جس میں زیادہ تر عشق و محبت کی باتیں لکھی جاتی ہیں۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ اردو شاعری نے اسے عشق فسوق پر منحصر کر دیا ہے جو آوارہ منشوں شہوت رانی کا طریقہ ہے اس کے سوا اور مضامین میں فی زمانہ غزل میں بہت کم نظر آتے ہیں۔ ایسی حالت میں اسی ایک طرز سخن پر فن شاعری کو محدود جان کر اس میں جا بجا دقتیں پیدا کرنا جو اس کی تمام تر شاخوں کو نقصان پہنچائے ہرگز خوب نہیں۔

بعض الفاظ ایسے ہی تھے جن کو میں نہیں باندھتا تھا جس طرح پر بمعنی مگر کہے ہے وغیرہ کہتا ہے۔ وغیرہ کی جگہ پر سو۔ لو۔ بھلا۔ بس تحسین کلام کے لیے اگر بے تکلف آئیں تو میں نامستحسن نہیں جانتا تھا۔ عربی فارسی الفاظ و شی۔ فال وغیرہ جیسے الفاظ کی یائے تحتانی کو وزن سے ساقط کر دینا میں اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ بعض الفاظ کی تانیث و تذکیر میں بھی مجھے اکثر جماعت سے اختلاف تھا چنانچہ بہشت و دوزخ دونوں کو میں تانیث لکھتا تھا۔ اگرچہ بالفعل ان دونوں کو لوگ تذکیر لکھتے ہیں۔ میں لغات و محاورات میں دہلوی و لکھنوی کی تبعیت تو یکطرفہ نہیں کرتا تھا مگر ان میں ضرور اہل دہلی ہی کی پیروی کو بہتر جانتا تھا۔ پہنچا کو بے واو اور دونوں اور پانو بے نون دوم لکھتا تھا۔ ٹھیرا اس کے نادر جیسے جن میں رائے مہملہ متحرک ہے اور بجائے دوسرے ہائے ہوز کے یائے تحتانی سے لکھتا تھا۔ تمہیں۔ ہمیں۔ یوں ہی۔ اونہی۔ انہی کو بغیر نون صرف یائے تحتانی پر موقوف رکھتا تھا اس کے سوا یوں ہی کی واو کو وزن

سے ساقط کرنا مجھے ناپسند تھا اور ان پانچواں لفظوں کو میں یہیں وہیں کا قافیہ نہیں سمجھتا تھا۔ جبھی۔ تبھی۔ بھی کو بغیر تخلیط ہائے ہوز ہی جب ہی تب ہی سب ہی باندھنا میں فصیح و جایز جانتا تھا مگر ابھی۔ کبھی کو نہیں اس لئے کہ یہ متغیر ہو کر معنی ترکیبی ظاہر نہیں کرتے اسی لئے ان کے ساتھ ایک ہی بڑھا کر معنی حصد پیدا کرنے کے لئے لکھتے ہیں۔ آپ ہی آپ کو تخلیط یا تو میں لکھتا تھا لیکن آپی آپ بغیر ہا نہیں لکھتا تھا۔ گڑھنا۔ چڑھنا کے وزن کے خلاف پڑنا کے وزن پر اساتذہ دہلی کے کلام میں نہ ملا۔ بات بھی رات کا قافیہ اون کے کلام میں کہیں نہ دیکھا بلکہ بات کی ردیف کی غزلیں ذوق۔ مومن۔ غالب سبھی کے دیوانوں میں ہائے ہوز کی ردیف میں دیکھیں۔ اسی لئے میں گڑھنا کو چڑھنا کے وزن پر اور راہ کو ساتھ کے وزن پر باندھتا تھا۔

حلال معشوق کے ساتھ ایسے حرکات جو خلوت پر منحصر ہیں جب اونکا افشا جایز نہیں تو غیر حلال کے ساتھ جو فاسقانہ حرکتیں کی جاتی ہیں اونکا اظہار کب جایز ہے اسی لئے وصل کا فاحش مضمون باناجایز بوسہ کا ذکر یا معشوق کے ایسے عضو کا بیان جو زبان پر لانا خلاف شرم و ادب ہے کبھی شعروں میں لانا پسند نہیں کرتا تھا بلکہ عاشقانہ مضامین ایسے ہی مجھے لکھنے پسند تھے جنہیں اگر مجاز سے حقیقت کی طرف لے جائیں تو کچھ بھی دقت نہ ہو۔ اس کے علاوہ میں معشوق کو ارے۔ او۔ میری جان۔ حضور۔ صاحب سے پکارنا مکروہ سمجھتا تھا۔ یار بغیر حرف ندا کے ساتھ بھی معشوق کو مخاطب کرنا مجھے مطبوع نہ تھا۔ ان خیالات کے ساتھ صنایع بدایع کو بھی میں پسند نہیں کرتا تھا اس لئے کہ اس کی فکر میں عبارت کو معنی سے اکثر دوری ہو جاتی ہے یا نہیں بھی ہوتی تو غریب الفاظ و ترکیب سے بدقت معنی سمجھ میں آتے ہیں۔ مثلاً معراج کی فوری رفتار کے بیان میں جو یہ عبارت صنعت مقلوب مستوی میں لکھی ہے اس کا بھی یہی حال ہے کہ اے ورک شرف شرع نے نہ عرش نہ فرش کر دیا۔ ایک ایک سما پر پامس کیا گیا۔ یہ ترکیب نجم تر دم میں نے کرب بسیط

ہوئے وہ طے سب۔ ان چاروں سے جس فقرے کو آخر سے الٹ کر پڑھو گے وہی پڑھو گے جو سیدھے طور سے پڑھتے ہو۔ یہ صنعت نسبت اور صنائع کے مشکل بھی ہے خصوصاً اردو میں معنی یہ ہے کہ اے عقل رسول نے تمہارا عرش ہی کو فرش نہیں کیا بلکہ ایک آسمان پر گیا۔ آدھی سانس کی مدت میں سواری پر وہ تمام پھیلی ہوئی دنیائیں طے ہو گئیں۔ عبارت میں صنعت کے لحاظ سے اکثر غریب الفاظ اور غریب ترکیبیں ہیں۔ تعقید اردو و فارسی کی بے موقع ترکیب نے عبارت کو فصاحت سے گرا دیا ہے۔ عقل کو درک سے مخاطب کیا گیا ہے اور رسول کو شرف شرع لکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے جو میں اس طرز سے گریز کرتا تھا لیکن چونکہ طبیعت کے عجز کو بھی اچھا نہیں جانتا تھا اس لئے بعض صنائع میں کچھ کہنے کا اتفاق ہوا تھا۔

الغرض پھر دوبارہ چھ برسوں کی شعر گوئی پر جس وقت میرا سن پچیس برس کا تھا میں نے اپنے اگلے پچھلے کلام کو ترتیب دیا یہ مجموعہ دس ہزار شعروں کا ذخیرہ تھا جس میں قصاید و قطعات، مثنوی و غزلیات، ترکیب بند و رباعیات وغیرہ اقسام سخن کے جواہر کے انبار در انبار تھے۔ اس ترتیب کے بعد مجھے غرور و نخوت نے کچھ ایسا دیوانہ بنا دیا جس کی انتہا نہیں خود پسندی اور خود ستائی نے جو امر مجھ سے ہلکے درجہ میں تھے آگے اپنی تعریفیں اپنے منہ سے کرنے میں بھی جب شرم نہیں آتی تھی تو دوسرے سے تعریفیں پانے میں کیا شرم ہو سکتی تھی۔ اس بے کار فن کی وجہ سے میں اپنا ثانی تسلیم نہیں سمجھتا تھا بلکہ نعوذ باللہ اپنے کو گویا وحدہٗ لاشریک جانتا تھا۔ چنانچہ اسی مائو نیا کے سبب تحقیقات الفاظ پر ایک رسالہ جو موسوم بہ تحقیقات تھا لکھوایا جس میں خانہ مساری۔ ارمان دل۔ خاطر مہمان یعنی تواضع مہمان سر بسکون یعنی یعنی راس ہم سوانہ۔ صوفیائے کرام طوطا چشمی وغیرہ جیسے بیشمار الفاظ کی تحقیق کی گئی۔ ڈاک سرکاری۔ ریکن تیز رفتار۔ اڈیٹران اخبار۔ ترجیب اطرگس۔ ناقابل الستلافی۔ قمی۔ فیچی جیسے الفاظ کی بھی حقیقت کھول کر

دکھلائی گئی۔ بعض الفاظ مثل ذرا کی املا میں بھی تحقیقی کلام کے گئے، معنوی لغزشیں ہمعصر مشہور زبان آوروں کے کلام سے عرض کی گئیں۔ ان لفظی و معنوی زلات کے سوا کتنے رموز و اشارات جو اپنے خیال کے کرتے تھے درج کیے گئے تھے تمام کرنے کے بعد یہ خیال آیا کہ اگرچہ میں نے حقیقت حال ظاہر کی ہے لیکن چونکہ اکثر حضرات کے کلام پر نکتہ چینیاں ہوئی ہیں اس لئے اس تحریر سے بجز آزار دل جس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں کچھ بھی فائدہ کی امید نہیں گرچہ اکثر احباب اس رسالہ کو دیکھ چکے تھے۔ میں نے اسے زمین میں مدفون کر دیا۔ لیکن اس سے دل کو تسکین نہ ہوئی اور اپنے کیے پر کچھ دل کو ایسی ندامت کا سامنا ہوا کہ کچھ بیان نہیں کر سکتا۔ آخر یہ نتیجہ ہوا کہ مجھے وحشت اور خفقان نے دیوانہ بنا چھوڑا۔ خیالات منتشر ہو گئے۔ اپنے کل کلام کا دفتر اسی سے اینٹوں کے ساتھ باندھ کر حضرت مخدوم شیخ دولت منیریؒ کے تالاب میں قد آدم پانی میں جاکر ڈبو دیا۔ اس طرح اپنے سیہ ناموں کو دھونے کے خیال سے فی الجملہ دل کو تسلی ہوئی جب سے میں نے شاعری سے یکقلم کنارہ کشی کر لی۔ ہاں بعض احباب کی فرمائش سے اگر کبھی کوئی تاریخ یا مضمون لکھا گیا تو انہیں حضرت کو دے دیا گیا۔ اپنے پاس کبھی رکھا ہی نہیں۔ اس طرح پندرہ برس کامل گذر گئے۔ اللہ اکبر ایک وہ زمانہ تھا کہ خودستائی و خودبینی، آہوگیری و عیب چینی اپنا شعار تھا۔ تحقیقات لفظی کو جو حقیقتاً معنوی ظلمت کا باعث ہے۔ میں باعث فخر جانتا تھا۔ اپنی مدح اور غیر کے کلام میں عیب جوئی سے کچھ عجب مزا ملتا تھا اور آج وہی میں ہوں جو زبان آرائی سے دلی گریز رکھتا ہوں اور خوب جانتا ہوں جو ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مخدوم جہاں نے فرمایا ہے بہت صحیح ہے کہ "ہزار ہزار زبان فصیح را و در دست زبانیہ امیر بینیہ، و یک دل خداشناس را آنجا نتوانی دید" اگر دل درست نہ ہو تو محض درستی زبان کا حاصل خاک بھی نہیں اور دل کی کجی کے ساتھ زبان کی راستی کی کچھ بھی حقیقت نہیں اس لئے کہ زبان فنا ہو جائے گی اور دل باقی رہے گا۔ ایسی حالت میں جیسا وہ

عورت کے وقت ہوگا ویسا ہی ہمیشہ رہے گا۔ اگر صاف ہے تو صاف اور مکدر ہے تو مکدر۔ زبان بہ حقیقت دل کا پردہ ہے۔ اس کی آرائش کا خیال دل کو تاریک کر دینے والا ہے۔ اسی خیال نے میرے اگلے خیال کو برباد کر دیا۔ ان دنوں سے کہ ۱۳۲۳ھ سے دو برس پہلے میرے کئی احباب ان کے حقوق صحبت مجھ پر ہیں مجھ سے مصر ہوئے کہ تمہارا کلام جس قدر تمہیں یاد ہوں انہیں لکھ کر ہمیں دو۔ تمہاری یادگار رہے اور اس فرمائش میں انہوں نے حد سے زیادہ ہٹ کو راہ دی۔ ناچار جس قدر حافظہ میں باقی رہ گئے تھے ترتیب دے دیئے گئے۔ ہاں بعض بعض مقامات میں نظم کلام کے ربط کے لئے کچھ اشعار کہنے کی بھی نوبت آئی۔ چنانچہ مثنوی کی ترتیب نے اکثر نئے اشعار کہے گئے چونکہ سلسلہ وار اس کے شعر یاد نہ آئے اس لئے ایسا اتفاق ہوا ورنہ زیادہ تر اشعار پہلے ہی ہیں۔ یہی وجہ ہے جو یہ دیوان ناکمل ہے اور اس کی اکثر غزلیں ایسی ہیں جن پر غزلوں کا اطلاق بھی نہیں ہو سکتا۔[1]

دیباچہ اردو کے آغاز میں اپنے جس پہلے فارسی شعر کا ذکر مشرقی منیری نے کیا ہے اس کی قدرے وضاحت ان کے کلیات فارسی کے دیباچہ میں موجود ہے۔ کلیات فارسی مشرقی منیری کے دیباچہ کی درج ذیل سطریں ہماری توجہ کی طالب ہیں۔

"وقتیکہ در خارستان عمر بر دوازدہمین منزل گام مے زدم یعنی ہنگام دوازدہ سالگی در دبستان پیش آموزگار میخواندم ناگاہ روزے این شعر از دل بزبانم گزشت

شعر:

الٰہی من غریب و ناتوانم
ولایت دہ مرا چشت ابحثہ خواہم

از انجا کہ از وزن و ردیف و قافیہ ہیچ خبر نداشتم و نیز پیشتر ازیں گاہے سودائے شعر

۱؎ دیباچہ کلیات اردو مخطوطہ ص ۱۳۔

در سر داشتم ازین رو داد حیرتم گشت که آیا این شعر در دلم که گفت و این گوہر یکدانه در رشتهٔ نظم که سفت غافل ازینکه همه گفتار از عالم امر بسوے نطق می آید و در چشم ظاهر بین از خلق می نماید مثلیکه قوت نطق بزبان داشتم دیر از که در پارسی زبان نیروے بیان داشتم۔ اگر شعری نظم کردم چه جاے عجب ست آنکه پدید آرندهٔ شب از روز و روز از شب ست اگر خواهد کودک یکشنبه گفتار پیر صد ساله فیلسوف خان روزگار باید سبیت آنکه در یک گوشت پارهٔ قوت نطق آفرید رو عجب نبود چو هیزم را گفتار آورد همه در آن روزها که این ناله کشیدم روزے بحضور ولی نعمی عمی شاه سید ابوالبرکات مهری رحمة الله علیه برخواندم باآنکه شرم مانع بود بطمع آفرین لب کشادم و از حقیقت حال آگهی دادم آنحضرت باهر که بریشنیدند از راه تعجب این شعر و مطلع علم را بیان می کردند شبی از شبها در از سرما مولوی جسیم الدین نامی مردے مهمان حضرت بودند در آخر شب هر دو بزرگان از خواب برخاستند و نشستند و حقه کشیدن آغاز کردند و باهم از هر در سخن پوشند گفته گفته تذکرهٔ شعر بنده نیز بمیان آمد از شنیدن این ماجرا شگفت در خاطر مهمان در آمد من نیز چون آنگاه بیدار بودم از راه مرضا یا امتحان مولوی بمن گفتند که زنهار باورم نمی آید که چنین طفلے چنین شعرے بر آید بخبرتے دامن دلم گرفت و بخود کشید و وی آهسته بگوش هشتم و میم برگز آن شاه ماثی از دلم فراموش نخواند گردید که باترک طرحے این شعر بهمان رنگ و همان وزن بر پیام رسید شعر

ولایت وه مرا شرف میری
بجز امید تو دیگر ندارم

گرچه هر دو شعر در ترکیب عبارت و هم از روے قافیه غلطها داشت اما یقین است که شنونده از خواری کلام معنی که مفهوم گوینده بود نیکو بپیدا گفت

مولوی را این شعر شنیدن ہمان بود وصدائے آباد بر کشیدن ہمان از غایت مسرت چون غنچہ از نسیم بر شگفتند و بی ساختہ از جائے بر خاستہ در کنارم گرفتندم چہای مولوی ہمتم افزودو مرغ شوق نواسنجیم پر باوج ۶۰ یمت کشود باشغل انتساب علوم مشغلۂ شاعری نیز دامنگیر حالم گشت ۔[1]

ان دونوں خود نوشت بیانات سے اظہر من الشمس ہے کہ مشرقی مینری نے بطور تقلید و تتبع شعر گوئی سے دلچسپی نہیں لی بلکہ زبان و بیان کے مزاج و اوصاف سے گہری واقفیت اور حیات و کائنات کی طرف مخصوص ذہنی رویہ کی تخلیقی ترجمانی کے لئے مشرقی مینری نے داد سخن دی ہے۔ ان کا پہلا فارسی شعر ہے

الٰہی من غریب و من توانم
ولایت دہ مرا چند آنکہ خواہم

صرف یہی نہیں کہ ان کے ایام طفلی کی یادگار ہے بلکہ ان کی باطنی رجحانات ومیلانات کا آئینہ دار بھی ہے۔ اس میں حصول علم و دانش کی تشنگی بھی ہے اور صوفیانہ افتاد طبع بھی۔ گرچہ آغاز شاعری میں انہوں نے اپنی متحرک اور فعال شخصیت کے زیر اثر مشاہیر شعراء کے کلام پر بھی تنقیدیں کیں اس لئے کہ الفاظ کی صحت، مضامین کی جدت، عبارت کی شستگی اور محاورے کی بے تکلفی کا انہیں بڑا خیال رہتا تھا۔ یہی نہیں وہ غلط یا غریب الفاظ اور ترکیبوں کے استعمال سے بھی گریز کرتے تھے اور تقلید پر تحقیق کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کا فنکارانہ مزاج تقلید رسمی سے گریزاں تھا وہ غور و فکر کے بغیر اساتذہ کے شعر کو بھی مستند تسلیم نہیں کرتے تھے اور جیسا کہ دیباچہ میں انہوں نے صراحت فرمائی ہے وہ بعض ایسے الفاظ کے استعمال کو جائز سمجھتے تھے جس کو ترک کرنے کی روایت چل پڑی تھی اس لئے کہ ان کے نزدیک شاعری میں کچھ رخصت اور تخفیف کی گنجائش ہے اور ایسا نہ ہو تو عمدہ مضامین غارت ہو جائیں۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مشرقی مینری کے نزدیک

---

[1] فارسی کلیات مشرقی مسمی و بضاعت مزجات مخطوطہ ص ۳-۲

لفظوں کے ظاہری اصول و ضوابط سے زیادہ اہمیت اظہار مطالبت کو ہی اصل تھی۔ وہ فصحاء عوام اور اہل زبان کو مستند سمجھتے تھے یعنی غلط العوام فصیح کے قائل تھے۔ زبان کی طرف ان کا یہ رویہ بڑا صحت مند اور ترقی پسندانہ تھا اس لئے کہ وہ غزل کے علاوہ دوسری صنفوں کے اظہار کے مسائل کو بھی پیش نظر رکھتے تھے کیوں کہ ان کے نزدیک واقع طویل ہو یا مختصر اس کو اچھی ترکیب سے باندھنا بھی شاعری ہے اور وہ صرف غزل گوئی کو شاعری نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک غزل وہ صنف ہے جس کو کم استعداد بھی برت لیتا ہے لیکن دوسری صنفوں کے لئے زبان اور اس کے اصول کا نکتہ داں ہونا ضروری ہے۔ علم بیان میں وہ شاعری کو ایک بے نظیر فن کا درجہ دیتے تھے اس لئے کہ واقعات، اخلاق اور مواعظ و حکمت پر اثر طور پر پیش کرنے کے لئے شاعری سے بہتر کوئی اظہار ذریعہ نہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ قواعد کے ذریعہ عائد کردہ سخت پابندیوں کے خلاف ہیں کیوں کہ ان سے اظہار بیان نہ صرف یہ کہ پر اثر نہیں رہ سکے گا بلکہ اس کی فطری کشش بھی زائل ہو جائے گی۔

ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مشرقی میری فن اور جمالیات کا وسیع اور ہمہ گیر نقطۂ نظر رکھتے تھے۔ وہ روایتی غزلیہ شاعری کے قائل نہیں تھے اس لئے کہ ان کے زمانے میں غزل گوئی محض عشق و محبت کی داستان سرائی تک محدود ہو کر رہ گئی تھی اور عشق و محبت کا دائرہ کار بھی ان کے لفظوں میں ـــــ آوارہ منشوں کی شہوت رانی کا طریقہ ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے عہد میں غزل گوئی دوسرے مضامین و افکار سے بے نیاز ہو کر رہ گئی تھی۔ مشرقی میری اپنی عصری شعری روایت کی روشنی میں زبان و بیان کی طرف اس رویہ کو ابھارنے کے حق میں نہیں تھے جو غزلیہ مزاج اور اس کی فصاحت و بلاغت کے تقاضوں پر مرتکز تھا۔ بلکہ دوسرے اصناف شاعری کے جمالیاتی تقاضے بھی ان کے پیش نظر تھے اور یہ ایک صحت مند اور ایسا ترقی پسندانہ انداز نظر تھا جو ان کو ذہنی اور فکری طور پر خواجہ الطاف حسین حالی سے قریب تر کرتا ہے۔

دیباچہ کلیات اردو کی درج ذیل سطریں ایک بار پھر سامنے رکھیں۔

"اردو غزل تو صرف ایک ایسا فن ہے جس میں زیادہ تر عشق و محبت

کی باتیں لکھی جاتی ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ اردو شاعری نے اسے عشق فسوق پر منحصر کر دیا ہے یہ جو آوارہ منشوں کی شہوت رانی کا طریقہ ہے۔ اس کے سوا اور مضامین فی زمانہ غزل میں بہت کم ہی نظر آتے ہیں۔ ایسی حالت میں اسی ایک طرز سخن پر شاعری کو محدود جان کر اس میں بجا دقیتیں پیدا کرنا جو اس کی تمام تر شاخوں کو نقصان پہنچائے ہرگز خوب نہیں۔"[1]

یہ چند سطریں مقدمہ شعر و شاعری کے افکار کی حیثیت رکھتی ہیں بس فرق یہ ہے کہ مشرقی میزی نے اپنے آپ کو دیباچہ تک محدود رکھا اور حالی نے مقدمہ قائم کیا ورنہ ادبی، شعری اور اجتہادی انداز نظر میں دونوں کے یہاں بڑی مماثلت و مشابہت ملتی ہے ۔۔۔ اس کا ثبوت مشرقی میزی کے انداز تغزل سے بھی ملتا ہے۔

مشرقی میزی تک اردو غزل نے ارتقاء کی مختلف منزلیں طے کی ہیں۔ ولی دکنی کے قبل تک اردو غزل بطور خاص ایرانی و ہندی جمالیات کی ہم آہنگی کے لئے کوشاں نظر آتی ہے۔ فریدالدین گنج شکرؒ، نام دیو، گرونانک، کبیر داس اور حضرت شرف الدین یحییٰ میزی کے یہاں لسانی تغیر عمل اور رد عمل کی بنیاد پر، جو جمالیاتی بنیاد کارفرما نظر آتا ہے اس کی منزل ہند ایرانی جمالیات کی ہم آہنگی ہے۔ قلی قطب شاہ اس اعتبار سے اردو شاعری کی پہلی جمالیاتی منزل ہیں جہاں آویزش کی جگہ آمیزش برسرکار نظر آتی ہیں اور یہی صحت مند روایت ورثہ میں ولی دکنی کو ملی ہے لیکن ولی نے سعد اللہ گلشن کے مشورے پر اردو شاعری کو فارسی شاعری کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ ولی دکنی کا یہ اقدام فاتح اور مفتوح کی نفسیات کا آئینہ دار بھی ہے۔ بہرحال ولی دکنی نے زبان دکنی سے منہ موڑ کر اردو معلیٰ کو ذریعہ اظہار بنایا اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ شعری روایت اور جمالیاتی اقدار کی ترتیب و تعمیر کے ساتھ ساتھ ولی نے ایک ایسی زبان تشکیل بھی کی جو بقول جمیل جالبی آئندہ تقریباً دو سو سالہ شعری زبان بن گئی۔ اس میں کوئی

---

[1] دیباچہ کلیات اردو مخطوطہ ص ۹

شک نہیں کہ میر و مرزا ، مومن ، غالب ، اقبال ، جوش ، جمیل ، فیض غرض کہ آج تک کے تمام شعراء اپنے اپنے مختلف آہنگ ، یا لب و لہجہ کے قطع نظر اسی اسلوب کے زیر اثر تخلیقی منزلیں طے کرتے رہے جس کا سنگ بنیاد ولی دکنی نے رکھا تھا۔

مشرقی مینری تک بھی قدرے ترمیم و اضافہ کے ساتھ وہی اسلوب سخن کار فرما تھا جس پر ایرانی تہذیب کی ایک گہری چھاپ تھی اور ہندوستانی عناصر تقریباً معدوم ہو کر رہ گئے تھے۔ دبستان دہلی اور دبستان لکھنؤ سے قطع نظر اردو شاعری کے خارجی اور داخلی زوال کا سبب معاشرتی انتشار و بحران کے پہلو بہ پہلو معاصر ایرانی شاعری کی تقلید و تتبع کا رجحان بھی تھا عہد آتش ، ناسخ اور مومن و غالب میں فارسی شاعری خود زوال آمادہ ہو کر رہ گئی تھی۔ اردو شعراء چونکہ فارسی شاعری کی تقلید و تتبع کو باعث فخر سمجھتے تھے اور بڑی حد تک ان کے معاشرتی اور تہذیبی حالات و کوائف بھی ایرانی ماحول و فضا سے مماثل تھے اسی لیے یہاں بھی شاعری سطحیت ، رکاکت اور ابتذال کا شکار ہو گئی۔ داغ دہلوی کے آتے آتے زبان و بیان کی نزاکت و نفاست سے قطع نظر کم از کم اردو غزل تو یقیناً رسمی عشق و محبت کی داستان سرائی بن چکی تھی۔ پنڈت برج نارائن چکبست نے داغ کی شاعری کو عیاشانہ شاعری قرار دیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انیسویں صدی کے نصف آخر میں اردو شاعری محض رسمی ، تقلیدی اور روایتی جذبہ احساس کا اظہار بن کر رہ گئی تھی جس پر حالی نے "مقدمہ شعر و شاعری" میں بڑی مثبت اور سنجیدہ تنقید کی ہے۔ مشرقی مینری کا ردعمل بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی غزلوں کے بارے میں اپنے خود نوشت دیباچہ اردو میں درج ذیل رائے دی[1]

"۔۔۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دیوان نا مکمل ہے اور اس کی اکثر غزلیں ایسی ہیں جن پر غزلوں کا اطلاق بھی نہیں ہو سکتا"

اس جملے کی تفصیل یہ ہے کہ مشرقی مینری کے منفرد ذوق سخن اور مہذب مزاج فن نے

---

[1] دیباچہ کلیات اردو مخطوطہ ص ۱۳

رسمی اور تخلیقی تغزل سے الگ ایک باوقار اسلوب اور آہنگ سخن کی بنیاد رکھی جس میں عشق فسق اور آوارہ منشوں کی شہوت رانی کی جذبہ احساس کا اظہار نہیں بلکہ باطنی کوائف اور صحت مند داخلی تجربات کا اظہار ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل اشعار کو پیش نظر رکھا جا سکتا ہے ؎

جو شوق وصل یا غم ہجراں میں رہ گیا — وہ راہ کھو کے وادیٔ حرماں میں رہ گیا
پردے اٹھا کے رند حقیقت کو پا گئے — زاہد اٹک کے پردۂ ایماں میں رہ گیا
دیوانے تیرے توڑ کے زنجیر چل دیئے — غل ایک سب ہے کہ خانۂ زنداں میں رہ گیا
ناصح نے مجھ سے کل جو سنی داستانِ عشق — شب بھر غریب خواب پریشاں میں رہ گیا
مرنے پہ میری خاک بھی برباد ہی رہی — میں خاک چھانتا ترے ارماں میں رہ گیا
کچھ بھی نہ پا سکا ترے وحشی کے گرد کو — چکرا کے گرد باد بیاباں میں رہ گیا
اعجاز پائے یار سے ہر ایک نقش پا — خوش رنگ پھول بن کے گلستاں میں رہ گیا
میں راہ پا کے کوچۂ جاناں میں رہ گیا — زاہد بھٹک کے روضۂ رضواں میں رہ گیا

ان اشعار میں شوق وصل، غم ہجراں، وادیٔ حرماں، پردۂ ایماں، خانۂ زنداں، اعجاز پائے یار، کوچۂ جاناں اور روضۂ رضواں کی ترکیبیں نہ صرف یہ کہ فصاحت و بلاغت کے بے پناہ امکانات کے حامل ہیں بلکہ معنوی سنجیدگی اور تہہ داری کی کیفیت بھی پیدا کرتی ہیں۔ سلاست و روانی، بے ساختگی اور رعایت کی بنیاد پر جدت طرازی کا رجحان ان اشعار میں نمایاں ہیں شعری اسلوب کا یہ نظم و ضبط اور اختصار و اعجاز فارسی روایت کی معتبر آگہی کا ثبوت بھی ہے اور باطنی کشمکش اور اضطراب و التہاب کا اظہار بھی اردو کی شعری روایتوں نے یہاں نئی معنوی فضا قائم کی ہے۔ غریب و ثقیل الفاظ سے دامن بچا کر مشرقی میری نے زبان کو معیار و اقتدار کی نئی رفعت بخشی ہے۔ درج ذیل شعر پچھلی اردو شعری روایتوں کو وقیع الشان بناتا ہے ؎

خود تو کفر و دیں کے پردوں میں جا چھپے
جعفر طاعقب کا گبر و مسلماں میں رہ گیا

میر تقی میر نے کہا تھا ؎

میں نہ کہتا تھا مت دیر و حرم کی راہ چل
اب یہ جھگڑا حشر تک شیخ و برہمن میں رہا

وہی صوفیانہ وسیع المشربی اور عاشقانہ وسعت نظری یہاں بھی کارفرما ہے۔ میر کے مضمون کو انفرادیت اظہار سے متصف کرنا آسان کام نہیں لیکن مشرقی منیری اس مرحلہ سخت سے کامیاب و کامران گزرے ہیں۔ اسی طرح مشرقی منیری کا درج ذیل شعر ان کے وسعت مطالعہ، روایت پر مکمل گرفت اور اظہار کے قدرت کاملہ کا ثبوت ہے ؎

مدت ہوئی کہ طائر دل کا پتہ نہیں
کیا پھنس گیا دام کاکل پیچاں میں رہ گیا

حضرت امیر خسرو کے درج ذیل شعر سے متاثر ہونے کے باوجود انفرادیت اظہار کا مالک ہے ؎

مدت شد کہ دلم رفت و دراں زلف بہ ماند
یارب آں یوسف گم گشتہ بہ زنداں چوں است

مشرقی منیری نے اس مخصوص تخلیقی تجربہ کو اردو کے شعری مزاج سے مکمل طور سے ہم آہنگ کرکے پر اثر انداز میں پیش کیا ہے۔

میر، درد، راسخ، مومن، غالب، اکبر الہ آبادی اور دوسرے مستند شعرا کے طرز اسلوب سے استفادہ کے بعد مشرقی منیری نے اپنے جمالیاتی احساس کا ہر جگہ انفرادی اظہار کیا ہے۔ میر کہتے ہیں ؎

کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جائے غم اے شیخ
یہ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا

مشرقی فرماتے ہیں ؎

مشرقی کا دل نہیں کعبہ سے کم
یہ ستم تو دل پہ اے دلبر نہ توڑ

غالب کہتے ہیں ؎

نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیئے ؛ بے صدا ہو جائے گا یہ ساز ہستی ایک دن

مشرقی کہتے ہیں ؎

ستم کرو یا کرم کرو تم ہیں دونوں ہی مغتنم کے آخر
نہ بزم دشمناں رہے گا نہ مجلس دوستاں رہے گی

غالب کہتے ہیں ؎

غم اگرچہ جاں گسل ہے یہ کہاں بچیں کہ دل ہے ؛ غم عشق گر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا

مشرقی کہتے ہیں ؎

یہاں کی آسانیاں بھی غافل نہیں ہیں دشواریوں سے کم
کہ فکر جاناں نہ ہوگی دل میں تو فکر کار جہاں رہے گی

غالب فرماتے ہیں ؎

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا میری جو شامت آئے ؛ اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے

مشرقی میری اسی تجربے کا اظہار یوں کرتے ہیں ؎

بزم میں وہ مجھے بیگانہ سمجھ کر چپ تھا ؛ آشنا میں نے کیا کیوں اسے شامت میری

غالب کہتے ہیں ؎

وفا کیسی، کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا ؛ تو پھر اے سنگ دل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

مشرقی فرماتے ہیں ؎

جو ہے جان دینی ہی مشرقی تو اسی کا در ہے ضرور کیا
ہے سر سبک میرے دوش پہ تو ملیں گے سنگ گراں بہت

غالب فرماتے ہیں ؎

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ ؛ ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

مشرقی اسی خیال کو اس طرح شعر میں باندھتے ہیں ؎

یا رب وہ بعد قتل کے کسی سوچ میں پڑے ؛ کیا اب ہوا ہے ان کو مکافات کا لحاظ

اکبر الہ آبادی نے سنجیدہ غزل گوئی میں ایک حد تک خاص اسلوب کی تشکیل کی تھی لیکن وہ اپنے ظریفانہ رنگ میں اس طرح ڈوب گئے کہ اپنے سنجیدہ تغزل کو فراموش کر گئے۔ ان کا مشہور مطلع ہے ـــ

دل میرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا ٭ بت کے بندے ملے اللہ کا بندہ نہ ملا

مشرقی کا انداز سخن ملاحظہ کیجئے ـــ

جس سے اس بت کا پتہ خلق میں ملتا نہ ملا ٭ کوئی کعبہ میں بھی اللہ کا بندہ نہ ملا

ذوق کہتے ہیں ـــ

جاتے ہوائے شوق ہی میں اس چمن سے ذوق ٭ میری بلا سے باد صبا گر کبھی چلے

اور مشرقی کا انداز اظہار یہ ہے ـــ

میرے مرقد پر اگر وہ حور زاد آیا تو کیا ۔ خود نہ جب باقی رہا میں اس کو یاد آیا تو کیا

اس طرح مشرقی منیری، مومن، اور داغ کے آہنگ سخن سے بھی متاثر رہے ہیں۔ مشرقی منیری پر مومن کے اثرات کی نشاندہی درج ذیل شعر سے ہوتی ہے ـــ

عیش بھی اندوہ فزا ہو گیا ٭ بیٹھے بٹھائے مجھے کیا ہو گیا
موت نے دی مجھ کو حیات ابد ٭ زہر مجھے آب بقا ہو گیا
ملتا ہے اس سے خلق میں مجھ کو ترا پتہ ٭ میرا دل شکستہ ترا نقش پا نہ ہو
اور مجھ سا کوئی کیا کشتۂ حرماں ہوگا ٭ کہ مجھے قتل بھی کیجئے گا تو احسان ہوگا
اک سے ایماں ترا زاہد کہ ہو کفر اس سے سیاہ ٭ اک مرا کفر کہ خال رخ ایمان ہوگا

بگڑے ہیں مجھ سے وصل میں غیروں کے ذکر پر ٭ سیدھا ہوا اثر میری الٹی دعا کے ساتھ
کیوں میرے پاس آتا ہے دور اے ہجوم یاس ٭ اب مدعا نہیں دل بے مدعا کے ساتھ
دشمن جو جان دے تو غم عشق میں نہ دو دل ٭ لایا ہوں میں اسے در جاناں پہ جا کے ساتھ
کہتے ہیں تو نے جگہ گھر میں میرے غیر کو دی ٭ ان کو حسرت جو میرے دل میں ذرا بھی آئی
جی میں تو بہت کچھ مجھے تھا ان کا گلہ دیا ٭ جب سامنے وہ آئے تو کچھ بھی نہ رہا یاد

مشرقی منیری نے داغ کے رنگ تغزل کے اثرات بھی قبول کئے ہیں لیکن اس کی طرف ان کے نقادوں نے کوئی توجہ نہیں دی ہے۔ چند ایسے اشعار درج ذیل ہیں جو داغ کے رنگ سخن کے غماز ہیں ؎

زاہد وہ بت ہے نور خدا سر سے پاؤں تک سر قضا ہے اس کی ادا سر سے پاؤں تک

بولے جب آئی زلف رسا سر سے پاؤں تک پیچھے لگی یہ کیسی بلا سر سے پاؤں تک

شوخی بھی شکل شعلۂ فانوس ہے عیاں گو ہے بڑا نقاب حیا سر سے پاؤں تک

کیا بات کروں حشر میں اللہ کے آگے مجھ کو تو نہیں اس بت کافر کے سوا یاد

میں بھول گیا نشہ میں باتیں تری واعظ ہاں ہے تو فقط ایک ہی مے ہوشربا یاد

میرے دل میں کبھی آئے جو وہ بھولے بھٹکے مجھ پہ تانے ہوئے برچھی کو ادا بھی آئی

وائے قسمت شب وعدہ جو وہ آئے بھی تو یوں ان سے لپٹی ہوئی ساتھ ان کی حیا بھی آئی

عجب رات کرشمہ دکھایا ساقی نے کہ ایک ذرہ بھی کل کائنات ساغر میں

نگاہ شوخ ہے کس دل کی فکر میں بے چین تڑپ رہی ہے یہ بجلی کس آشیاں کے لئے

مشرقی منیری نے تمام پچھلی شعری روایتوں کو ہم آہنگ کر کے اپنے اسلوب اظہار کی تشکیل و تعمیر کی تھی لیکن ان کے کلام پر سب سے زیادہ اثر دبستان غالب کا ہے جس کا پہلا سبب تو یہ ہے کہ ان کے مذاق سخن کی تہذیب و تقدیر صوفی منیری کے سایہ عاطفت میں ہوئی تھی۔ جو تلانذہ غالب میں برگزیدہ عظمت و اہمیت رکھتے تھے اور دبستان غالب کے اہم نمائندہ سمجھے جاتے تھے اور دوسرا سبب خود مشرقی منیری کا رجحان و میلان تھا جو رسمی اور تقلیدی شاعری سے گریزاں تھا۔ یہ صحیح ہے کہ مشرقی منیری کی متغزلانہ شخصیت عصری غزلیہ روایتوں سے ہم آہنگ تھی اور اسی لئے وہ اپنی غزلوں کو اس معنی میں غزل نہیں سمجھتے تھے لیکن انہوں نے عصری ماحول و مزاج کا تنقیدی جائزہ لیا تھا اور ادبی و فنی کاوشوں کو محض تفنن طبع کے طور پر سامنے نہیں رکھا تھا بلکہ وہ شعر و ادب کو اخلاق، مواعظ، نصائح و پند اور نکات و حکمت کے پر اثر بیان کا ذریعہ سمجھتے تھے اس لئے ان کے کلام میں جذبات پر فکر کو فوقیت حاصل ہے۔

ڈاکٹر کلیم عاجز کی درج ذیل رائے اس اعتبار سے قابل ذکر ہے :۔

"........ مشرقی میری کی تحریر سے ان کے مزاج اور افتاد طبیعت کا بہت کچھ اندازہ ہو جاتا ہے۔ ان کی شاعری کی اساس فکر پر ہے۔ جذبات اس حد تک نمایاں ہوتے ہیں کہ جس حد تک فکر کے دائرے میں ان کا نمایاں ہونا ممکن ہے۔ اس لئے یہاں وہ گداز نہیں جو سوز قلب کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے وہ تیزی اور زور ہے جو حقائق سے آشنائے مزاج پیدا کرتا ہے۔ مشرقی کے یہاں معنویت ہے لیکن رقت نہیں۔ وہ میکدۂ غالب کے جرعہ نوش ہیں خرابات میر کے بادہ کش نہیں ...... خانۂ ذہن کا دروازہ کھول کر افکار کے موتی نکالتے ہیں ان کی آب و تاب اور ان کی حمیت میں کوئی شبہہ نہیں رہتا۔"[1]

حقیقت یہ ہے کہ ہر صنف شاعری میں اور بطور خاص تغزل میں مشرقی میری کے یہاں روانی، برجستگی، بے ساختگی اور سلاست کے ساتھ ساتھ معنوی تہہ داری، فکری گہرائی اور اظہار جدت و ندرت بدرجۂ اتم موجود ہے۔ حکیم سید احمد اللہ ندوی نے بھی مشرقی میری کی ان فنی خصوصیات کی نشاندہی کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ :۔

"... آپ پُرگو اور کہنہ مشق شاعر تھے۔ ابتدا میں تخلص محو تھا، پھر صافی کیا آخر میں مشرقی تخلص کیا جو آخر تک قائم رہا۔ اردو کے علاوہ فارسی میں جو فکر سخن کی تھی عربی میں بھی ساکت نہ تھے ...

... کلیات فارسی موسوم "بہ بضاعت مزجات" اور کلیات اردو "مغتنمات" آپ کی یادگار ہے۔ کلام تمام اصناف سخن پر مشتمل ہے۔

---

[1] بہار میں اردو شاعری کا ارتقاء (۱۸۵۷ء تا ۱۹۱۴ء) پی ایچ۔ ڈی تھیسس ص ۳۲۶ مولفہ ڈاکٹر کلیم عاجز۔ غیر مطبوعہ پٹنہ یونیورسٹی۔

معنی آفرینی، نزاکت تمثیل اور جدت و ندرت مضامین کی طرف توجہ زیادہ تھی۔ سلاست اور صفائی زبان کا بھی لحاظ تھا۔[۱]

ڈاکٹر محمد یوسف خورشیدی نے اپنے کتابچہ عظیم آباد کا ایک یادگار مشاعرہ میں مشرقی منیری کی فنی انفرادیت پر روشنی ڈالی ہے۔ مذکورہ مشاعرہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو پٹنہ سٹی بادشاہ منزل میں منعقد ہوا تھا اور یقیناً یہ ایک تاریخی اور یادگار مشاعرہ تھا جس میں مشرقی منیری نے تمام مستند اساتذہ سخن سے بے پناہ داد و تحسین حاصل کیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"لیکن جب آپ نے "سر سے پاؤں تک" کی زمین میں غزل شروع کی تو زبان و بیان کی خوب خوب داد دی گئی۔ مطلع بہ اصرار کئی بار پڑھوایا گیا۔ غزل ختم بھی ہو گئی مگر ابھی تک سبھوں کی زبان پر یہی مصرع تھا[۲]"

پیچھے لگی یہ کیسی بلا سر سے پاؤں تک

جب مشرقی منیری نے اپنی دوسری غزل "فغاں رہے گی" "کہاں رہے گی" کی زمین میں شروع کی تو سبحان اللہ کے شور سے بادشاہ منزل گونجنے لگی۔ غزل یہ تھی ؎

جو سوئے دور شراب رندو نگاہ پیر مغاں رہے گی
تو غم نہ کھاؤ کہ پھر مخالف نہ گردش آسماں رہے گی

چلا ہے تو سوئے کعبہ لیکن خیال اے مشرقی یہ رکھنا
کہ فائدہ حج سے کچھ نہ ہوگا جو یاد کوئے بتاں رہے گی

چوں کہ مشرقی نے اپنے کلام کا بیشتر حصہ ضائع کر دیا اس لئے ان کی عظمت فن بھی بڑی حد تک نگاہوں سے پنہاں رہ گئی لیکن جو مختصر سرمایہ کلام بطور نمونہ ہمارے پیش نظر ہے وہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ مشرقی منیری اگر شعر و سخن کی طرف انہماک سے متوجہ رہتے تو وہ صفیر و شاد کی صف میں

۱۔ تذکرہ مسلم شعراء بہار حصہ چہارم ص۱۷۷

۲۔ عظیم آباد کا ایک یادگار مشاعرہ ص۶-۱۷

جگہ پاتے لیکن جیسا کہ تحریر کیا گیا کہ اپنی درویشانہ طبع کے زیر اثر انہوں نے نہ صرف یہ کہ سخن گوئی ترک کر دی بلکہ کلام کا بیشتر حصہ بھی ضایع کر دیا وہ تو ان کے مخلص دوستوں کا کرم ہے کہ انہوں نے بربنائے خلوص اصرار کے ساتھ ان کے باقی ماندہ کلام کو یکجا کرنے کی کوشش کی ورنہ شاید ادبی دنیا مغتنمات سے بھی محروم رہ جاتی۔

مشرقی میری کا موجودہ اردو کلیات ان کے ایسے اشعار پر محیط ہے جو ان کے حافظے میں جاگزیں رہ گئے اور جن کو دوستوں کے اصرار پر انہوں نے از سر نو قلمبند کیا۔ ان کا کچھ کلام مختلف رسائل سے دستیاب ہوا ہے۔ اس طرح ان کی تمام غزلیں جو ہم دست ہو سکیں ان کی مجموعی تعداد ایک سو سترہ ۱۶۷ ہیں۔ چوں کہ حافظہ کے بھروسہ پر یہ سارا کلام یکجا کیا گیا تھا اس لئے قیاس اغلب یہی ہے کہ ابتدائی عہد کا نسبتاً کچھ زیادہ کلام شامل ہے۔ اس خیال کی بنیاد یہ ہے کہ انہوں نے تقریباً انیس برس کی عمر میں اپنا ایک دیوان مرتب کیا تھا اور اپنے اس وقت تک کے سارے کلام کے تقریباً تین حصوں پر خط تنسیخ پھیر دیا تھا اور باقی ماندہ ایک ربع کو دیوان میں برقرار رکھا تھا۔ چوں کہ ابتدائی مشق سخن کے اس سرمایہ پر گہری تنقیدی و تخلیقی نگاہ ڈالی گئی تھی اس لئے حافظہ میں اس کلام کا محفوظ رہ جانا زیادہ ممکن الخیال ہے۔ بعد میں جب پھر انہوں نے اصرار دوستاں پر دیوان کی ترتیب و تدوین کی تو دیوان اول کے ذخیرے کی بیشتر چیزیں نا خانہ حافظہ سے نکل کر ان اوراق کی زینت بن گیئں۔ میں نے غزلیات مشرقی میری کی تدوین و انتخاب میں عرق ریزی سے کام لیتے ہوئے ایسے اشعار کو حذف کر دیا جو استعمال الفاظ، تراش و ترکیب و بندش، تمثیل و تشبیہ کے اعتبار سے ان کی نو آموزی سخن کے غماز تھے اور ایسے اشعار اور ایسی غزلوں کو یہاں زینت اشاعت کے لئے منتخب کیا ہے جو ان کی انفرادی، تخلیقی شخصیت اور جمالیاتی ذہن کی آئینہ دار ہیں اور جن سے اردو کی شعری روایت میں اضافہ و وسعت پیدا ہوتی ہے۔ یہاں بطور نمونہ بلا تخصیص ان کے کچھ اشعار پیش کئے جاتے ہیں ؎

ایماں و جاں و ہوش و خرد صاف چل بسے — اک درد آپ کا دل ویراں میں رہ گیا
اک آئینہ سے رخ کا تصور خدا کی شان — تصویر بن کے دیدۂ حیراں میں رہ گیا

اللہ رے جذب شوق کہ ویراں ہوئے کبھی — میر اغیار کوچۂ جاناں میں رہ گیا

ظاہر پہ نہ جا اور نہ ہو آپ سے مایوس — باطن تو ذرا دیکھ تو اے آب و گل اپنا

ہاتھ کیوں دل پہ تمہارا ہے اگر کچھ نہ ہوا — تم نے دیکھا میرے نالوں میں اثر کچھ نہ ہوا

دل ہے یا آبلہ اک ٹھیس سی لگ جاتی ہے — کوئی ارماں بدلتا ہے جو پہلو دل میں

جنت ہے وا مگر جو قفس ہے جہاں مجھے — آرام کچھ یہاں سے نہ راحت وہاں مجھے

دوزخ سے کم بہشت بھی کچھ ہجر میں نہیں — اے موت! لا کے چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

ہوا ہوں میں سبب رشک آستاں کے لئے — کہ بوسے ہیں نے تیرے سنگ آستاں کے لئے

رہ حرم کے لئے کوچۂ بتاں کے لئے — نہ خاک اڑاتے پھرے ہم کہاں کہاں کے لئے

مٹایا ہم نے نشاں ایک بے نشاں کے لئے — مکان پھونک دیا ایک لامکاں کے لئے

نگاہ شوخ ہے کس دل کے فکر میں بے چین — تڑپ رہی ہے یہ بجلی کس آشیاں کے لئے

کعبہ جاتے تھے سر راہ بتاں بیٹھ گئے — ہائے جاتے تھے کہاں اور کہاں بیٹھ گئے

حج کو چلے ہیں مشرقی رند دیکھنا — میخانہ ہو کے کعبہ کا رستہ گیا نہ ہو

کیا یہ دوست نے حال آنکھ سے گرا کے مجھے — کہ دیکھتے نہیں دشمن بھی آنکھ اٹھا کے مجھے

دل خراب نے کی رہبری میری اچھی — کہ آپ کھو گیا راستہ پہ لا کے مجھے

کونین میں تو جلوہ ترا ہی چھا رہا ہے — ہے غیر کون جس سے تو منہ چھپا رہا ہے

مشرقی جس سے زمانہ میں رہے ہم ناشاد — تا ابد شاد رہے! شاد رہے شاد رہے

ہم فقیروں کے بھی اے پیر مغاں یاد رہے — دل ترا شاد رہے گھر ترا آباد رہے

کس آئینہ طلعت نے صورت مجھے دکھلا دی — ہے کس لئے یہ حیرت یہ بے خبری کیوں ہے

جو سوئے دور شراب رند و نگاہ پیر مغاں رہے گی
تو غم نہ کھاؤ کہ پھر مخالف نہ گردش آسماں رہے گی

ستم کرو یا کرم کرو تم ہے دونوں ہی مغتنم کہ آخر
نہ انجمن دشمناں رہے گا نہ مجلس دوستاں رہے گی

شکار دام غم بے حساب کرکے مجھے — میرے وجود نے مارا عذاب کرکے مجھے
نگاہ بازئ مست شراب کرکے مجھے — بیٹھا کوئے مغاں میں خراب کرکے مجھے
وہ بار اٹھانے کو جس کو فلک اٹھا نہ سکا — قضا نے بھیج دیا انتخاب کرکے مجھے
کسی کی کاکل پیچاں نے عمر بھر رکھا — اسیر سلسلۂ پیچ و تاب کرکے مجھے

جرس قافلہ ہم اپنی فغاں رکھتے ہیں — توشۂ رہ دل بیتاب و تواں رکھتے ہیں

ہر بوالہوس نہ عشق کا کیوں کر ہو مدعی — سنتا ہوں اب کہ ان کو مرا امتحاں نہیں

مصیبتوں کا تو کرتے شمار ہم لیکن — ہماری ہجر کی راتوں کا کچھ حساب نہیں

نوبت مری پہنچائی یہ تاثیر دعا نے — دشمن کو بھی کہتا ہوں کہ ترا بھی بھلا ہو

دل میں بیٹھے ہیں مگر جھانکتے ہیں — شوخیوں میں کوئی انداز حیا کا دیکھے

کچھ خدا سے بھی تو ڈر چھپ کے نہ پی اے زاہد — کچھ کو اے مرد خدا خلق کا ڈر کتنا ہے
تم ادھر جلوہ فگن شمع ادھر ہو روشن — دیکھیں تو جمع پروانہ کدھر کتنا ہے

آپ پر ہم کو بھروسہ تھا مگر حضرت دل — آپ بھی دوست اسی دشمن جاں کے آئے
جاں فروشاں محبت وہی گھاٹے میں رہے — وسوسے دل میں جنہیں سود و زیاں کے آئے

تصوف کو مشرقی منیری نے غزل میں داخل کرکے زندگی کے مختلف معاملات و مسائل کو کچھ اس انداز میں پیش کیا کہ حقائق زندگی کی تصویر پوری طرح سامنے آجاتی ہے۔ حیات و کائنات کے اسرار و رموز کو انہوں نے اپنی غزلوں کا موضوع بنایا ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں کی نقاب کشائی کچھ اس طرح کی ہے کہ زندگی کا ہر گوشہ اپنی تمام رنگا رنگی کے ساتھ آنکھوں کے سامنے بے نقاب ہو جاتا ہے۔ ان کے کلام میں تصوف کے اثرات کسی نہ کسی زاویئے سے اپنی جھلکیاں ضرور دکھاتے ہیں۔ انہوں نے مجازی عشق کی جو تصویر پیش کی ہے اس کی بنیاد عشق مجازی کے متعلق ان کا وہ تصور ہے جس کو تصوف کے نظام میں خاص اہمیت دی گئی ہے۔ اس کے بارے میں عام خیال ہے کہ عشق حقیقی کا آغاز درحقیقت عشق مجازی ہی سے ہوتا ہے۔ مجاز اور

حقیقت ایک دوسرے کے ساتھ گہرا ربط رکھتے ہیں اور ایک دوسرے سے تقویت پہنچی ہے۔ مشرقی نے مجازی اور حقیقی عشق کا اظہار اپنے کلام میں اس طرح کیا ہے ؎

ہوں کے عشق میں ہم مرمٹے خدا کے لئے ۔۔۔ ہمارا کفر تھا پردے میں مشرقی ایمان
جو ڈھونڈھتا ہے حقیقت رہ مجازی سے ۔۔۔ صنم پرست کو ہے ننگ اس نمازی سے

مشرقی میری تصوف کے اسی نظریے کے قائل تھے اور یہی وجہ ہے کہ صوفی ہونے کے باوجود انہوں نے عشق مجازی کی اہمیت کو محسوس کیا اور ان کو اپنی غزلوں کا موضوع بنایا۔ چنانچہ مشرقی کے یہاں ایک عجیب قسم کا کیف و سرور ہے اس لئے کہ اس کا براہ راست تعلق ان کے جذبات و احساسات اور تجربات سے ہے۔ ان کے عشقیہ کلام کا حسن کسی ایک بات میں نہیں بلکہ ذوق و شوق، کیف و مستی، ناز و خیالی، غنائیت اور موسیقیت کا ایک سیلاب ہے جس سے ان کے کلام میں سلاست و روانی، سرمستی و سرشاری اور سوز و گداز کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ اس کا اندازہ ان اشعار سے بہ خوبی ہو جاتا ہے ؎

تری راہ کو وہ پتہ جانتے ہیں ۔۔۔ جو تیری راہ میں کھو گئے ہیں
وگرنہ عالم میں رنگ کہاں ہے وجود کا ۔۔۔ ہر رنگ میں ہے رنگ ترے ہی نمود کا
جہاں میں ترا نقش پا جانتے ہیں ۔۔۔ وہ تجھ کو پاتے ہیں جو داغ دل کو
جو یاد ہو تو ذرا راہ بھی بتا دینا ۔۔۔ عدم کا اہل فنا کو مجھ کو بھی بتا دینا
آپ ہی جب کھو گئے تو ہاتھ لگا تو ہم کو ۔۔۔ ہم نے جب تک تجھے ڈھونڈا نہ ملا تو ہم کو
پھر نہ رنج قفس رہے گا نہ حسرت آشیاں رہے گی ۔۔۔ گری اگر بجلی اس چمن پر تو لے باغباں نہیں ڈر
تو دو کھو گئے اپنا بھی نہیں ہم کو پتا یاد ۔۔۔ صحرائے طلب میں دل گم گشتہ کے پیچھے
جانہ میری میں ہے یا کوئی ٹھہر دل میں ۔۔۔ دروغ ہے کہ تڑپتی ہے جگر میں بجلی
کہ دل میں کام کرتی ہے نگاہ یار نشتر کا ۔۔۔ نہ کیوں کر خون کے فوارے نکلیں چشم عاشق سے
بھولے سے نہ کی تم نے کبھی میری وفا یاد ۔۔۔ شکوہ تو جفا کا نہیں ہاں ہے تو یہی ہے

رہنما اچھا تھا لیکن کیا کروں لے گیا دل کوئی رہزن لوٹ کر

ہے بے شب امید میری یوں ہی کٹ گئی میں بے خودی سے منت دربان میں رہ گیا

بام پر بھی پردہ ہو کر جلوہ فرماتے ہیں وہ بے طرح چمکی ہے یا رب ان دنوں تقدیر صبح

مشرقی کہتے تو کس خورشید رو کا ہے خیال آپ کے چاک گریباں میں ہے کیوں تنویر صبح

مشرقی منیری نے اپنے کلام میں نادر تشبیہات و استعارات کا استعمال بھی کیا ہے، ان کے یہاں تشبیہات و استعارات کا نظام اس قدر دلکش ہے کہ ان کے کلام میں تازگی اور توانائی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ جس چیز کا بیان کرتے ہیں اس کی تصویر نگاہوں کے سامنے عیاں ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار بہ طور نمونہ ملاحظہ کیجئے ؂

میری پسند ان کے لئے ہے شب فرقت کالی مفت کیوں تیری بلا سر پہ یہ جھگڑا لے بیٹھی

اعجاز پائے یار سے ہر ایک نقش پا خوش رنگ پھول بن کے گلستاں میں رہ گیا

شب چمکی جو تجھے بے میں نوش ہوئی دھوپ چلا اٹھے ہے ساقی مدہوش ہوئی دھوپ

تابش حسن کی جھلک دیکھی جب اس نقاب پر

کہتے ہیں چھپ گیا وہ آسمان پہ گئی آفتاب پر

بکھرائی جو زلف آپ نے گرد رخ روشن ہم سمجھے کہ سایہ سے ہم آغوش ہوئی دھوپ

اس میکدہ کا خادم دیرینہ ہوں جس میں ساغر ہوا سورج مے سرجوش ہوئی دھوپ

تیرے ماتھے کا یہ ٹیکا ہے کہ چاند کوئی ہے یہ سورج کے گلے کا تیرے جگنو دل میں

مشرقی منیری کی غزل گوئی میں شوخی و زندہ دلی کے جوہر بھی نمایاں ہیں۔ شوخی و ظرافت مشرقی کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی جس کی بدولت اکثر ان کے لب و لہجہ میں حیرت انگیز شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے لیکن مشرقی سنجیدہ اور لطیف طنز کے قائل ہیں۔ ان کے طنز کی تلخی عموماً ظرافت کی شیرینی سے ہم آمیز رہتی ہے جس کا اندازہ آپ ان کے ان اشعار سے کر سکتے ہیں ؂

بندۂ عشق ہوں مجھ کو طمع و خوف نہیں شیخ جی کیسی بہشت اور کہاں کی دوزخ

کیوں نشہ میں مسجد میں ہم اے شیخ گھس آئے راستہ ہمیں ہوتا کہیں میں میکدہ کا یاد
کتنے خراب وخستہ ہوئے تم سے پارسا پوچھو نہ شیخ ہے وہ بت نازنیں غضب
زاہد اس رات میں دو گھونٹ تو پی لے کمبخت ہائے اور رات بھی پھر کون برسات کی رات
جو چاہتے ہو کہ عشاق جان شوق سے دیں تو نشہ گاہ میں جانا تو بن سنور لینا

تشبیہات واستعارات کے علاوہ مشرقی نے اپنی غزلوں میں چند اور صنعتوں کا بھی استعمال کیا ہے جن میں ایک صفت مہملہ (غیر منقوطہ) ہے۔ اس صنعت کا تعلق شاعری کے محاسن صوری سے ہے ؎

کام درد دل روا کس طرح کاگر اس کی دوا ہو کس طرح
دم رکا عالم ہوا دل کا دگر آہ دل ہمدم رسا ہو کس طرح
ہو رہا ہے دل گا کل دلدار کا دام کا ہو کر رہا ہو کس طرح

مشرقی نے اپنی غزلوں میں اپنی استادی فن کا مظاہرہ کر کے جگہ جگہ مشکل پسندی کا بھی ثبوت دیا ہے چنانچہ ان کے یہاں دو قافیتیں کی صنعت بھی ملتی ہے ؎

قتل میں مرے مشکل کی آسانی تو ہے لیکن اس میں پھر میرے قاتل کی حیرانی تو ہے
تم زباں سے کچھ کہو لیکن تمہارے قلب نے عاشقی مجھ بندہ بے دل کی پہچانی تو ہے
مشرقی کو غیر کی قسمت پہ کیوں غیرت نہ ہو آخر اس کو آپ کی محفل کی دربانی تو ہے

مشرقی کی غزلوں میں حسرت و یاس کی جگہ نشاط غم کی کیفیت ملتی ہے۔ بطور نمونہ چند اشعار درج ذیل پیش کئے جاتے ہیں ؎

حسرت تغافل یاس ہے امید اسیر بیم کتنے ہیں مبتلا دل مبتلا کے ساتھ
بجائے اشک ان آنکھوں سے گرتی ہے بجلی کہاں سے آئی یہ سوزش دل نہاں کیلئے
جو چیز پر بھی درد جگر نہ ہو باور کہاں سے لاؤں یقیں تم سے بدگماں کیلئے
مجھ کو جلایا خاک کو میری اڑا دیا نکلا نہ پھر بھی جو تیرے دل کا بخار تھا
تو بغل میں ادا ہم محروم وصل پیاس سے مرتے ہیں ہم ساحل کے پاس

مشرقی منیری کا بہت کم کلام اردو دنیا کو دستیاب ہو سکا لیکن جو قلیل نمونۂ فن ہمارے پیش نظر ہے ان کے تجزیاتی مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مشرقی نے انیسویں صدی کے نصف آخر میں اپنے اختراعی ذہن اور تخلیقی شخصیت کا اظہار، پختہ ادراک فن اور شعور سخن کی روشنی میں کیا ہے وہ عصری حسیات و کیفیات سے آشنا تھے اور عربی فارسی اور اردو ادب کے گہرے مطالعہ نے انہیں مثبت اور منفی قدروں کے درمیان امتیاز و افتراق کا شعور بخش دیا تھا جس کی روشنی میں انہوں نے یقیناً ایک صحت مند روایت فن کی بنیاد رکھنے کی کوشش کی۔ ریاض حسن خیال رسولپوری کے معاصر سر سید کی علی گڑھ تحریک سے گہری دلچسپی، وابستگی ان کے انقلابی فکر و ذہن کی غمازی کرتی ہے۔ یہی انقلابی طبیعت انہیں غالب سے نسبتاً زیادہ قریب رکھتی ہے۔ متحرک سطح پر لفظوں کا تعدد، برمحل، موزوں اور بے ساختہ اظہار فن انہوں نے غالب ہی سے سیکھا تھا۔ مگر بعض ذاتی حادثات و علل اور بنیادی طور پر منیر شریف کی صوفیانہ فضا، قلندرانہ ماحول اور درویشانہ روایت نے ان کو اس وقت فکر سخن سے بے نیاز کر دیا۔ جب وہ فکر و فن کی پختگی کی منزلوں میں تھے یقیناً اردو کی ادبی دنیا کا ایک بڑا نقصان ہوا مگر جتنا کچھ ان کا کلام ادبی دنیا کے پیش نظر ہے اس سے بھی ان کے منفرد اختراعی ذہن کا ثبوت ملتا ہے۔ حالی اور اقبال کے درمیانی عہد میں جن لوگوں نے اپنی اختراعی طبیعت کا انفرادی مظاہرہ کیا ہے ان میں مشرقی منیری بھی ناقابل فراموش اہمیت رکھتے ہیں ؎

حکایتیں ہیں اور بھی ورق الٹ کتاب کا۔

انتخاب غزلیات

انتخابِ غزلیات

○

ہر رنگ میں ہے رنگ ترے ہی نمود کا
ورنہ عدم میں رنگ کہاں ہے وجود کا

ملکِ کبیر اُس کو ملا جو یہاں تھا
اللہ رے مرتبہ ترے در پہ سجود کا

وہ جانتا ہے شاہد و مشہود ایک ہیں
جس دل کو ہے مشاہدہ تیرے شہود کا

دونوں جہاں فقیر ہیں تو ہی ہے اک غنی
محتاج ذرّہ ذرّہ ہے تیرے ہی جود کا

کب مشرقی پہ تیرا کھلے گا درِ کرم
مدت سے انتظار ہے اس کو کشود کا

❀ ❀

میں بھی غضب کا شیفتۂ ظلمِ یار تھا
ہر لحظہ طالبِ ستمِ روزگار تھا

دل ہی نہ چوٹ کھانے میں بے اختیار تھا
مجبور اس طرح جگرِ داغدار تھا

مطلب یہ تھا کہ حشر میں بھی موت ہو مری
یہ بھی ادا تھی ایک جو وہ شرمسار تھا

کیوں تیرگی سے مجھ کو ڈراتی ہے اے لحد
میرا تو روزِ راحت سے بھی بڑھ کے تار تھا

مئے جب رہی نہ خون پیا دل نچوڑ کر
پیرِ مغاں نہ میں ہی تو اک بادہ خوار تھا

مجھ پر نگاہِ قہر بھی مستقبل میں تھی دریغ
سوچا نہ کچھ کہ یہ بھی اک امیدوار تھا

جب تک نشان مٹ نہ گیا بعد قتل کے
تیروں کا ایک نشانہ ہمارا مزار تھا

کیوں کر گناہگار نہ ہم بنتے حشر میں
اس کا بھی جب اشارہ یہی بار بار تھا

مرنے پہ بھی بلاتے محبت لگی ہے ساتھ
یہ قہر کون سا مرے پروردگار تھا

ظالم تجھے وہ یاد ہے جو تیرے شوق میں
دشمن کی بات کا بھی ہمیں اعتبار تھا

کیا خوب حسن و عشق کا تھا مشرقی اثرؔ
میں اُس کا اور وہ مرا اُمّیدوار تھا

سب مٹ مٹا گیا جو دلِ خاکسار تھا
کم بخت یہ بھی کوئی عدو کا مزار تھا

میدانِ حشر کس لئے رہتا نہ اس کے ہاتھ
اللہ کو بھی اس کا بہت انتظار تھا

میرے جنوں نے ہاتھ بڑھائے کفن سے جب
دامانِ صبحِ حشر وہیں تار تار تھا

افسوس پھونک پھونک کر اُس نے اڑا دیا
دیوار پر جو اس کی ہمارا غبار تھا

غمزہ کڑی کمان کا کیا تیر تھا کوئی
دل کو جگر کو چھید کے پہلو سے پار تھا

یہ بھی ادائے خاص تھی اس کو کہاں کا غم
بزمِ عزا میں میری جو وہ سوگوار تھا

اِک دن یہ ہے کہ دل مرا ملتے ہو پاؤں سے
اِک دن وہ تھا گلے کا تمہارے یہ ہار تھا

دونا عذاب ایک شبِ وعدہ نے یہ کیا
فرقت تو تھی ہی دوسرا اِک انتظار تھا

چین آتا کس طرح کسی کروٹ شبِ فراق
دل ناصبور تھا تو جگر بے قرار تھا

جی میں تو مشورت تھا کہ واعظ کی لوں خبر
بکنا مجھے بھی اس کا بہت ناگوار تھا

آباد کبھی اپنا بھی ویرانۂ دل تھا
اس شمع سے پُر نور تھا کاشانۂ دل تھا

لوٹا گیا تھا ایک خزانے سے جو معمور
ہے اب تو خرابہ وہی جو خانۂ دل تھا

سنگِ ستمِ چرخ سے مئے خاک نے پی اور
یک لخت ہوا چور جو پیمانۂ دل تھا

خود ہو گیا افسانہ وہی کس سے کہیں اب
مرغوب ہمارا جسے افسانۂ دل تھا

کیوں مشرقیِ غم زدہ کا دل نہ ہو بے چین
اب قبر کی ہے جان جو جانانۂ دل تھا

امتحانِ سختیٔ جاں کا مرے پھر یاد آیا
ہاتھ ان کے جو کوئی خنجرِ فولاد آیا

صحبتِ غیر میں تم مشقِ جفا بھول گئے
پھر یہ بھولا ہوا کیوں تم کو سبق یاد آیا

ظلم اٹھانے کو تو کہتے تھے بہت اب دیکھوں
دیکھئے حضرتِ دل وہ ستم ایجاد آیا

تنگیٔ دل سے مری ایک خوشی تنگ نہیں
غم بھی آیا دلِ غمگیں میں تو دل ناشاد آیا

مشرقی کو جو کیا پیرِ مغاں آپ نے یاد
کون سی بات ہے یہ بندۂ ارشاد آیا

جو شوقِ وصل یا غمِ ہجراں میں رہ گیا
وہ راہ کھو کے وادیٔ حرماں میں رہ گیا

ہے ہے شبِ امیدِ مری یوں ہی کٹ گئی
میں بے خبری سے منّتِ درباں میں رہ گیا

دیوانے تیرے توڑ کے زنجیر چل دیئے
غل ایک ہے کہ تھا نہ زنداں میں رہ گیا

ناصح نے مجھ سے کل جو سُنی داستانِ عشق
شب بھر غریب خوابِ پریشاں میں رہ گیا

قاتل خیال بھی تھا غضب تیری زلف کا
جو سانپ بن کے گنجِ شہیداں میں رہ گیا

روزِ سیاہ کا مرے اندھیر دیکھنا
تِل بن کے چہرۂ شبِ ہجراں میں رہ گیا

اس کو خبر نہیں سروسامانِ عشق سے
جو بے خبر غمِ سروساماں میں رہ گیا

مرنے پہ میری خاک بھی برباد ہی رہی
میں خاک چھانتا ترے ارماں میں رہ گیا

کچھ بھی نہ پا سکا ترے وحشی کی گرد کو
چکرا کے گردبادِ بیاباں میں رہ گیا

اعجاز پائے یار سے ہر ایک نقشِ پا
خوش رنگ پھول بن کے گلستاں میں رہ گیا

کیا کم ہے یہ اگر نہ رہے آپ مشرقی
ذکر آپ کا تو مجمعِ یاراں میں رہ گیا

میں راہ پا کے کوچۂ جاناں میں رہ گیا
زاہد بھٹک کے روضۂ رضواں میں رہ گیا

تم خود تو دین و کفر کے پردوں میں جا چھپے
جھگڑا غضب کا گبر و مسلماں میں رہ گیا

مدت ہوئی کہ طائرِ دل کا پتہ نہیں
کیا پھنس کے دامِ کاکلِ پیچاں میں رہ گیا

اک آئینہ سے رُخ کا تصور خدا کی شان
تصویر بن کے دیدۂ حیراں میں رہ گیا

کس سے اُمید ہو جو سکندر خضر کے ساتھ
بھٹکا تلاشِ چشمۂ حیواں میں رہ گیا

ایمان و جان و ہوش و خرد صاف چل بسے
اک درد آپ کا دلِ ویراں میں رہ گیا

گو امتحانِ عشق میں، مَیں جان سے گیا
چرچا تو میرا محفلِ جاناں میں رہ گیا

تیرِ نگہ نے دل کو تو مدعو کیا مگر
یہ میزبان خانۂ مہماں میں رہ گیا

آسانیاں بھی اُس کے لئے مشکلیں ہوئیں
جو دل کہ فکرِ مشکل و آساں میں رہ گیا

اللہ رے جذب شوق کہ برباد ہو کے بھی
میرا غبار کوچۂ جاناں میں رہ گیا

اشک اور نور دونوں گئے منتشر مگر
رونے کا شوق دیدۂ گریاں میں رہ گیا

دیں گیا مال گیا دل گیا تھوڑا نہ گیا
پھر بھی ساتھ اُس بُتِ بے دیں کا چھوڑا نہ گیا

دل کو چیرا بھی دیئے داغ بھی تم نے لیکن
نہ گیا تھا مرے پہلو سے یہ پھوڑا نہ گیا

کیا ہوا اس آپ سے ٹوٹے ہوئے دل جُڑنے کی
جبکہ رشتہ بھی کوئی آپ سے جوڑا نہ گیا

ضعف کی خانہ خرابی ہوا اسی کے ہاتھوں
سر بھی اپنا تری دیوار سے پھوڑا نہ گیا

کیوں مجھے دیکھ کے گھوڑے پہ ہوا کے ہو سوار
دو قدم تم سے تو کاغذ کا بھی گھوڑا نہ گیا

اس پری نے مجھے یہ کہہ کے جلایا آخر
جیتے جی میری گلی سے یہ نگوڑا نہ گیا

توڑنا مشرقیِ خستہ کا دل خوب نہیں
دلِ بدخواہ بھی جس سے کبھی توڑا نہ گیا

●●

حریمِ یار کا رستہ صبا اگر لینا
خدا کے واسطے میری بھی کچھ خبر لینا

جو چاہتے ہو کہ عشاق جان شوق سے دیں
تو قتنہ گاہ میں جا تا نو بن سنور لینا

رہے لحاظ قیامت بھی قتل میں میرے
نہ میرے خون سے تم دامن اپنا بھر لینا

اسی سے وصل کی شب چاک اپنا دامن تھا
ہمارے دستِ جنوں دامن سحر لینا

لگی ہے چاٹ ستم کی عجب مرے دل کو
قصور غیر کرے اس کو اپنے سر لینا

●●

ہاتھ کیوں دل پہ تمہارا ہے اگر کچھ نہ ہوا تم نے دیکھا مرے نالوں میں اثر کچھ نہ ہوا

نہ بچا فتنہ سے کعبہ بھی مگر اے زاہد تھا جدھر پیرِ خرابات ادھر کچھ نہ ہوا

دل کو کہتے تھے کہ انجامِ محبت ہے بُرا اس خبر پر بھی وہ کمبخت خبر کچھ نہ ہوا

اس تلوّن کی بھی حد ہے کوئی اللہ اللہ
مہرباں شام ہوا کچھ تو سحر کچھ نہ ہوا

●●

جو شب خورشید کا تم کو گماں تھا وہ میرا داغِ دل آتش فشاں تھا

غمِ دردِ نہانی کس سے کہئے گیا پہلو سے جو اک رازداں تھا

جو ڈھونڈا یار کو نزدیک پایا انہی آنکھوں کے پردے میں نہاں تھا

یہ صدمے کون اٹھاتا بعد میرے مرا مرنا تو تیرا ہی زیاں تھا

مقدر ہی میں تھا صافی جو گزرا
نہیں دشمن ہمارا آسماں تھا

●●

مری امید بر آئے مجھے امید نہیں کہ حوصلے ہی سے باہر ہے حوصلہ دل کا

سپاس وصل نہیں ہے تو شکوۂ ہجراں کوئی تو چاہیے آخر کو مشغلہ دل کا

غم و الم بھی مجھی سے ہے اور دل بھی مرا
میں حیرتوں میں ہوں کس سے کروں گلہ دل کا

●●

○

خدا جانے حنا بندی کریں وہ خوں سے کس کس کے
انھیں کچھ شوق دل میں آ گیا ہے خود نمائی کا

نہ بہلا مجھ کو اے ناصح اسی حالت پہ رہنے دے
بلا سے میں رہوں رسوا کیا گھر ہائے جدائی کا

تغافل کو وہاں اور اوج پر ہوتی ہے جولانی
یہاں نالوں کو ہوتا ہے اگر دعویٰ رسائی کا

دل و صبر و سکوں لے کر کے مجھ سے تم مکرتے ہو
خدا کے واسطے کچھ بھی ہے ٹھکانا بے وفائی کا

یہ رندی اور بدنامی یہ ہر دم بادہ آشامی
اسی پر ہم کو ہے صافی یہ دعویٰ پارسائی کا

●●

○

کیا رشک غیر پر کرم بے قیاس کا
خواہاں ہوں میں بھی اک نگہ حق شناس کا

کیوں ہنس رہے ہو خندۂ بیجا پہ پھیر تم
کشتہ ہوں میں تبسم حق ناشناس کا

ظاہر ہیں خوبیاں گلۂ خوئے یار سے
اس شکوہ میں تو ذائقہ ہے کچھ سپاس کا

میں اپنے سوز سینے سے عاجز ہوں ہم نفس
کیا شوق ورنہ مجھ کو نہیں ہے لباس کا

ہم سے بھی رند جائیں گے صافی بہشت میں
اللہ رے کیا خیال ہے امت کے پاس کا

●●

یہ لبِ خشک ہمارا تو لبِ تر ہوتا
اگر لب جو لبِ ساغرِ لبِ دلبر ہوتا

آئینہ خانہ میں کرتا میں بتوں کو محبوس
بخدا مجھ کو تو سامانِ سکندر ہوتا

کیا نہیں چشم مرا عشقِ ستم کے لائق
مہرباں تو جو نہیں ہے ستمگر ہوتا

ضعف سے غم کے اٹھانے کی کبھی طاقت رہی
نا خدا دل یہ ہمارا کوئی پتھر ہوتا

سادگی پر تو وہ ایسے ہیں کہ دیکھا ہی نہیں
کیسے ہوتے جو کہیں جسم میں زیور ہوتا

بارے صافی کو اسی طور کا پایا میں نے
آرزو تھی کوئی غالب سا سخنور ہوتا

●●

بے شرم عذار کو چہ و بدن ہے آفتاب
کیوں مانوں آپ کا رخِ روشن ہے آفتاب

غافل نہ پوچھ مزرعۂ نیستی کا حال
جس سے کہ ایک دانۂ خرمن ہے آفتاب

کیا پوچھنا ہے اس چمن آرائے حسن کا
جس کا کہ ایک غنچۂ گلشن ہے آفتاب

اے دل نہ پوچھ عالمِ انوار کا بیاں
جس میں کہ ایک ذرۂ روزن ہے آفتاب

جو ہیں مقیم عالمِ شب جانتے ہیں وہ
راہِ وصالِ دوست میں رہزن ہے آفتاب

شمع ہزار اہلِ حقیقت کے سامنے
اک شمعِ مردہ تہِ دامن ہے آفتاب

تر دامنانِ میکدہ ڈھونڈو ہیں حشر بھی
گویا کہ شمعِ وادیٔ ایمن ہے آفتاب

کیجئے نہ سیر گلشن و صحرا پھر آپ بھی
مانا کہ آپ کا رخِ روشن ہے آفتاب

عشاق کو تو بارشِ رحمت ہے مشرقی
گو حشر میں بہت شرر افگن ہے آفتاب

●●

شب چمکی تو مے چمکے یہ مینوش ہوئی دھوپ
چلائے اٹھو اے ساقی مدہوش ہوئی دھوپ

شرمندۂ تابِ رخِ روشن ہوا خورشید
حیرت زدہ صبح بنا گوش ہوئی دھوپ

یہ فیض تھا تر دامنیِ پیرِ مغاں کا
رندوں کو قیامت میں فراموش ہوئی دھوپ

شب بزم میں ساقی نے عجب جلوہ گری کی
ہنس کر کے جو کھولا لبِ خاموش ہوئی دھوپ

اے داورِ محشر کوئی کیا دے گا حساب آج
غارت گرِ عقل و نظر و ہوش ہوئی دھوپ

بکھرائی جو زلف آپ نے گردِ رخِ روشن
ہم سمجھے کہ سایہ سے ہم آغوش ہوئی دھوپ

چادر سے غرض کیا لحد میں اہلِ فنا کو
شب چاندنی اور دن کو لحد پوش ہوئی دھوپ

اس میکدہ کا خادمِ دیرینہ ہوں جس میں
ساغر ہوا سورج مئے سرجوش ہوئی دھوپ

کس برقِ جہاں تاب نے کی جلوہ گری آج
جو زہر کی چادر سے سیہ پوش ہوئی دھوپ

گم پرتوِ خورشید میں جس طرح ہو سایہ
پرتو میں رخِ یار کے روپوش ہوئی دھوپ

جلوہ نے کیا تیرے شب و روز کو یکساں
اب روز کی خدمت سے سبکدوش ہوئی دھوپ

تھا تابشِ مے جان کے خوش مشربیِ رند
اس پہ دمِ محشر جو ستم کوش ہوئی دھوپ

●●

○

لیلۃ القدر ہے ہر ایک خرابات کی رات
ڈھونڈھ کعبہ میں نہ اے شیخ مناجات کی رات

برملا جلوہ نے اک آگ لگادی دل میں
حشر کا دن تھا الٰہی کہ ملاقات کی رات

جب خرابات میں آپ آئے نہ تھے اے زاہد
ایسی کٹتی تھی کبھی قبلۂ حاجات کی رات

میں نے مانا کہ نہیں دوست تمہارا دشمن
کس لئے ٹھہری تھی پھر اس سے ستارات کی رات

زاہدا اس رات میں دو گھونٹ تو پی لے کمبخت
ہائے اور رات بھی پھر کون کہ برسات کی رات

کل اگر صبح کو روکیں تو گنہگار ہیں ہم
آج رہ جایئے بندہ کے یہاں رات کی رات

آپ چپ چاپ تھے کیوں بزم میں عادت کے خلاف
مشرقی کہئے تو کچھ فکر تھی کس بات کی رات

●●

خنداں دنداں نمانے تیری کی تسخیر صبح / ہو گیا خط غلامے ہیأتِ تحریر صبح

جیب جاں کو چاک کر پھر دولت بیدار دیکھ / کس خرابی میں نہاں ہے دیکھنا تعمیر صبح

بام پر بے پردہ ہو کر جلوہ فرماتے ہیں وہ / بے طرح چمکی ہے یارب ان دنوں تقدیر صبح

کشتۂ حیرت ہوں اک آئینہ رو کا اس لئے / چاک ہے اپنے کفن کے سے عیاں تصویر صبح

چاک داماں ہو گئی کس رشکِ مہ کے عشق میں / ہو گیا تارِ شعاعِ مہر جو زنجیر صبح

ہو کے انساں تو ہے مخمورِ مئے غفلت مدام / مرغ و ماہی تک ہیں مستِ بادۂ تکبیر صبح

مشرقی کہیے تو کس خورشید رو کا ہے خیال
آپ کے چاکِ گریباں میں ہے کیوں تنویر صبح

●●

کام دردِ دل روا ہو کس طرح / کارگر اس کو دوا ہو کس طرح

دم رکا دل کا ہوا عالم دگر / آہ دل ہمدم رسا ہو کس طرح

وہ سرور و راحِ روح اس کو ہوا / درد کا دل کو گلا ہو کس طرح

ہو رہا دل کا گلِ دلدار کا / دم کا ہو کر رہا ہو کس طرح

گل کھلا موسم ہوا گل کا مگر
دل ہمارا محو وا ہو کس طرح

جی میں تو بہت کچھ ہے مجھے ان کا گلہ یاد
جب سامنے وہ آتے تو کچھ بھی نہ رہا یاد

کیا بات کروں حشر میں اللہ کے آگے
مجھ کو تو نہیں اس بتِ کافر کے سوا یاد

رندانِ درِ میکدہ سے پوچھ لے زاہد
تجھ کو جو نہ ہو منزلِ مقصد کا پتا یاد

شکوہ تو جفا کا نہیں ہاں ہے تو یہی ہے
بھولے سے نہ کی تم نے کبھی میری وفا یاد

میری نہ رہی تھی تو نشانی تری رہتی
مجھ کو تو ترا داغ ہے کچھ دل کے سوا یاد

میں بھول گیا نشہ میں باتیں تری واعظ
ہاں ہے تو فقط ایک مئے ہوش ربا یاد

اس بھولنے والے کو تو چاہوں میں خدا سے
لیکن نہ رہا دل ہی تو کیوں کر ہو دعا یاد

پھر خاک رکھیں یاد وہ جھگڑے من و تو کے
اپنے کو بھی رکھتے نہیں جب اہلِ فنا یاد

پورا تو جواب ایک بھی دے اہلِ وفا کا
کیا کوئی سبق تجھ کو نہیں غیر جفا یاد

صحرائے طلب میں دلِ گم گشتہ کے پیچھے
خود کھو گئے اپنا بھی نہیں ہم کو پتا یاد

اس یاد سے پھر فائدہ کیا مشرقی آخر
دل میں تو ہیں بت اور زباں پر ہے خدا یاد

پُر خطر بھاری گھنا جنگل ہے ویرانے کے بعد
ملتی ہے الفت کی راہ اس سے گزر جانے کے بعد

وصل میں آتی ہے لذت بعد ایامِ فراق
عیش و راحت کا مزہ ملتا ہے غم کھانے کے بعد

ناخنِ تدبیر کیا عقدہ کشائی کر سکے
گتھیوں پر گتھیاں پڑتی ہیں سلجھانے کے بعد

وہ لگاوٹ کی ادائیں دلبری کی گھات میں
اب چُراتے ہیں نظر بھی راہ کترانے کے بعد

رکھتی ہے زنجیرِ زنداں کیسی تاثیرِ کشش
آ ہی جاتا ہے کوئی دیوانہ دیوانے کے بعد

کر لے کچھ سامانِ زادِ رہ بھلا ہو یا بُرا
پھر کہاں فرصت ہے پیغامِ اجل آنے کے بعد

اب کفِ افسوس ملنے سے بھی کچھ ہوتا ہے کیا
عمرِ رفتہ پھر نہیں آتی گذر جانے کے بعد

○

جب اسے شوق کے مضمون میں لکھا کاغذ
اُڑ کے ہاتھوں سے مرے آپ ہی پہنچا کاغذ

اس کے شکوؤں کے مضامیں نہ ہوئے طے کچھ بھی
چند ہی جملے لکھے بھر گیا سارا کاغذ

طلبِ وصل کے مضموں نے کیا خوب اثر
ان کے ہاتھوں میں جو جھپٹا تو نہ چھوٹا کاغذ

میری قسمت کا یہ لکھا تھا کہ اس نے قاصد
بے پڑھے پھاڑ دیا پھاڑ کے پھینکا کاغذ

ختم ہو جائیں گے وہ ختم نہ ہوگا نیرا وصف
گو سمندر کی سیاہی ہو فلک کا کاغذ

●●

○

جو مرغِ دل ہے داغ سے دور اور شکستہ پر
طاؤس ہے وہ باغ سے دور اور شکستہ پر

آشفتہ حال طائرِ نکہت ہے باغ میں
اس شوخ خوش دماغ سے دور اور شکستہ پر

جو دل تپاں ہے سینہ میں پروانہ ہے مگر
بے سوز ہے چراغ سے دور اور شکستہ پر

ساقی بتا کہ کس لئے ہے شیشہ کی پری
شیشہ میں بند ایاغ سے دور اور شکستہ پر

اے کاش طائرِ دل صاقیؔ فنا بھی ہو
کب تک رہے فراغ سے دور اور شکستہ پر

●●

کیا کریں گے ایسی جنت زاہدو ہم دیکھ کر
مدتوں روتے رہے ہیں جس کو آدمؑ دیکھ کر

داد دے میری وفا کی کون یارب حشر میں
ہو گیا عالم کو سکتہ اس کا عالم دیکھ کر

مثلِ موسیٰ غش ملک ہیں مرحبا صلِّ علیٰ
اس نہالِ حسن کو نورِ مجسّم دیکھ کر

بارک اللہ خاک کے پتلوں میں بھی تھے وہ جیالے
تھرتھرایا جن کی ہمت عرشِ اعظم دیکھ کر

کر نہ ابرو سے اشارے غیر کو
تو مرے پہلو میں یوں خنجر نہ توڑ

گر سلامت چاہتا ہے اپنا سر
محتسب رندوں کا تو ساغر نہ توڑ

تیز کر کے یوں نظر اپنی نہ پھیر
یوں چبھو کر دل میں تو نشتر نہ توڑ

واعظا جامِ مئے احمر نہ توڑ
شیشۂ دل ہے یہ اسے خودسر نہ توڑ

آسماں میں رخنہ آہوں سے نہ ڈال
خلق پر آفت دلِ مضطر نہ توڑ

کر کے قتل انکار اب دیدار سے
عہد اپنا یوں سرِ محشر نہ توڑ

مشرقی کا دل نہیں کعبہ سے کم
دیکھ اس کو اے نصیحت گر نہ توڑ

موت کیوں آئے ترے بسمل کے پاس
جب ہو تجھ سے تُند خو قاتل کے پاس

گم یہاں بھی ہے پتا مقصود کا
بیٹھے ہیں اب تھک کے ہم منزل کے پاس

دل جگر دونوں نے چھوڑا ساتھ گو
ایک حسرت ہے ترے بے دل کے پاس

کچھ مزا تجھ کو بھی آئے درد کا
کاش تیرا دل ہو میرے دل کے پاس

تو بغل میں اور ہم محرومِ وصل
پیاس سے مرتے ہیں ہم ساحل کے پاس

زاہد کے لئے روضۂ رضواں کی ہوس بس
عاشق کے لئے کوچۂ جاناں کی ہوس بس

کیوں کر ہو مرے دل کو بجز زلف کی خواہش
سچ ہے کہ پریشاں کو پریشاں کی ہوس بس

کافی ہے ہمیں بھی لبِ جاناں کی تمنا
گر تم کو خضر چشمۂ حیواں کی ہوس بس

مجھ رند کو اے شیخ خرابات بہت ہے
بلبل کے لئے صحنِ گلستاں کی ہوس بس

جھکتے کا نہیں سایۂ طوبیٰ میں یہ ہرگز
ساقی مرے سر کو ترے داماں کی ہوس بس

ہم ہیں غلام حضرتِ پیرِ مغاں کے خاص
دربان ہیں ملائکہ جس آستاں کے خاص

بجلی اسی پہ ٹوٹ کے گرائی ہے اے فلک
دو چار تنکے رکھے تھے جو آشیاں کے خاص

پھر آسمان کون ہے جو دشمنی کرے
دشمن بنے ہیں آپ ہی جب میری جاں کے خاص

رندوں سے خاص چاہتے ہیں شیخ جی ادب
پوچھے تو کوئی آن کہ ہیں یہ کہاں کے خاص

ممکن نہیں کہ بات نہ ساقی کی دل سنے
زاہد طریقے ہی ہیں کچھ ان کے بیاں کے خاص

کل تک تو عام ان کی نگاہیں غضب کی تھیں
ہیں لطف آج مجھ پہ مرے مہرباں کے خاص

ہیں دل پسندِ عام جو یوں مشرقی کے شعر
ہیں ڈھنگ ہی جناب کی اردو زباں کے خاص

●●

دل ہی میں جب ہو سیر تو گلشن سے کیا غرض
نسریں سے کام کیا ہمیں سوسن سے کیا غرض

مرمٹنا مدعا ہے تو احسانِ غیر کیوں
دشمن بنا ہے دوست تو دشمن سے کیا غرض

دیوارِ میکدہ رہا قائم جنابِ شیخ
ہم کو تمہارے سایۂ دامن سے کیا غرض

ہم بیخودوں کو جب نہ رہا کفر و دیں سے کام
پھر ہم کو شیخ اور برہمن سے کیا غرض

جب وہ خدا کو سونپ کے چلتا ہوا انھیں
پھر مشرقی کو اس بتِ پرفن سے کیا غرض

●●

○

اگر تم سے میری محبت غلط　　تمہاری بھی دشمن سے الفت غلط
ہوا تیری چالوں سے ان کو یقیں　　جو سمجھے ہوئے تھے قیامت غلط
بسر تم تو اپنی کرو عیش سے　　تمہیں کیا مری ہے مصیبت غلط
تمہیں خواب سے اپنی فرصت نہیں　　بلا سے مری ہے حکایت غلط
وہ کہتے ہیں کیوں زندہ ہے مشرقی
نہیں ہے اگر درد فرقت غلط

●●

○

قبلہ کے سمت منہ نہ کیا ان کے سامنے
اللہ رے مجھ کو پیرِ خرابات کا لحاظ
یارب وہ بعد قتل کے کس سوچ میں پڑے
کیا اب ہوا ہے ان کو مکافات کا لحاظ
مجھ پر بھی ہو نگاہ کہ اخفائے راز ہو
انسان کو ضرور ہے ہر بات کا لحاظ
بوئے وجود پاتے ہیں اپنے عدم میں ہم
جب سے ہے دل کو نفی میں اثبات کا لحاظ

●●

ہوا جو شام کو وہ رشکِ آفتاب وداع — ہوئے مرے دل و دیدہ سے تاب و خواب وداع
تمام رات تھے چکر میں شیخ اے ساقی — ہوئے جو پی کے وہ اک ساغرِ شراب وداع
تمہارے ہوتے ہی رخصت کہاں کا قہر آیا — کہ مجھ سے ہوگئے میرے توان و تاب وداع
یہ بھید کیا ہے کہ تم مدتوں نہیں آتے — جو آتے بھی ہو تو ہو جاتے ہو شتاب وداع

یہ رند کہنے لگے مشرقی کو جب پوچھا
کہ کب کا ہو گیا وہ خانماں خراب وداع

کون آیا تھا جلانے میرے مدفن کا چراغ
جس کا ہر اک نقشِ پا ہے دشتِ ایمن کا چراغ

آج اس نے کس لئے بزمِ چراغاں گرم کی
دوستو کیا گل کیا ہے اس نے دشمن کا چراغ

کس غضب کی تھی خدایا اس بتِ کافر کی یاد
ہوگیا ہے دل مرا دیرِ برہمن کا چراغ

واہ رے اس گلبدن کے روئے روشن کا خیال
ہر گلِ خودرو ہوا ہے میرے مدفن کا چراغ

یوں جھلکتا ہے کسی کے خط میں خال اے مشرقی
جھلملائے جس طرح صحرا میں رہزن کا چراغ

ادھر بھی ایک نظر قطبِ عرش پیرِ شرف
ہوں میں بھی بندۂ در قطبِ عرش پیرِ شرف

تمہارے در کا تو کہلاؤں اور یوں ہیہات
پھروں میں خاک بسر قطبِ عرش پیرِ شرف

زمانے بھر کی خبر لی تو کیا میں جب جانوں
کہ لو مری بھی خبر قطبِ عرش پیرِ شرف

غموں کے مارے جو آنکھوں پہ چھا گیا اندھیر
ہے شام میری سحر قطبِ عرش پیرِ شرف

ہے عافیت طلبِ عافیت میں گم میری
سفر مجھے ہے سفر قطبِ عرش پیرِ شرف

طمانیت مجھے کب ہو گی کس طرح ہو گی
یہ دھن ہے آٹھ پہر قطبِ عرش پیرِ شرف

دعائیں میں نے بہت مانگیں عافیت کے لئے
ہوا نہ کچھ بھی اثر قطبِ عرش پیرِ شرف

ابھی میں دولتِ دنیا و دیں پہ ہوں فائز
جو ہو تمہاری نظر قطبِ عرش پیرِ شرف

امیدیں مشرقیِ بے نوا کی پوری ہوں
کرو عنایت اگر قطبِ عرش پیرِ شرف

○

جب سے ہوئے ہیں ہم اسی چالاک کی طرف
حیرت سے تک رہا ہوں میں افلاک کی طرف

زاہد کا دخت رز پہ توجہ دوڑتا نہیں
جاتے ہیں تاکتے ہوئے کیوں تاک کی طرف

جب زہر تو نے ہاتھ سے اپنے پلا دیا
جاتا خیال کیوں مرا تریاک کی طرف

کیا لطف ہو جو میرا طرفدار ہو خدا
ساری خدائی ہے اسی سفاک کی طرف

کھو گیا نہ ہوا میرا دل ان سے مشرقی
وہ جا رہے ہیں دیکھنے کیوں خاک کی طرف

●●

○

جب اس میں دوستی نہیں ہو اس کی کیا رفیق
دشمن کی کس لئے ہو تمہاری بلا رفیق

مقصد ترا ہے میرا بھٹکنا جو راہ میں
پھر کس لئے اثر کی ہو میری دعا رفیق

اس بے نشاں کی راہ میں یوں بے نشاں ہوا
ممکن نہیں کہ پائے مرا مدعا رفیق

ہے فکر میں بھی کہ اڑائے وہ تیری بو
گلگشت میں ہوئی ہے جو تیری صبا رفیق

کیا حال بے خودی میں کہوں تیری یاد کا
اتنا تو یاد ہے کہ کوئی دل کا تھا رفیق

تو بے وفا خیال ترا بے وفا نہیں
یہ ہر گھڑی اکیلے میں اپنا رہا رفیق

مے خانے ہم کو چھوڑ کے کیوں مشرقی چلے
دیکھا سنا نہ ہم نے کوئی آپ سا رفیق

●●

زاہد وہ بت ہے نورِ خدا سر سے پاؤں تک
سرِ قضا ہے اس کی ادا سر سے پاؤں تک

بولے جب آئی زلفِ رسا سر سے پاؤں تک
پیچھے لگی یہ کیسی بلا سر سے پاؤں تک

کیوں شیخ مے کشوں نے تمہیں کیا بنا دیا
دیکھو تو آئینہ میں ذرا سر سے پاؤں تک

باطن میں قدسیوں کا ہے یہ ہادیِ صواب
ظاہر میں گو بشر ہے خطا سر سے پاؤں تک

ہر ذرۂ بدن ہے مریضِ جنوں طبیب
کس کس کی کیجئے گا دوا سر سے پاؤں تک

دانہ کی طرح خاک میں تو مل کے نیست ہو
گر چاہتا ہے نشو و نما سر سے پاؤں تک

دل سے مری نہ ہوگی محبت تری جدا
ہو گرچہ عضو عضو جدا سر سے پاؤں تک

خنداں ہوں نور پاش ہوں و گلفشاں ہوں میں
گو شمع کی طرح ہوں جلا سر سے پاؤں تک

شوخی بھی شکلِ شعلۂ فانوس ہے عیاں
گو ہے پڑا نقاب حیا سر سے پاؤں تک

اف تو خودی کی بات ہے ان کو خبر نہیں
گو جل رہے ہیں اہلِ فنا سر سے پاؤں تک

کل مشرقی کو میں نے جو دیکھا تو راہ میں
ڈوبا ہوا شراب میں تھا سر سے پاؤں تک

O

تھمتا نظر آتا نہیں دل موسمِ گل میں
ہر چند کہ روکوں ہیں اسے فصلِ خزاں تک

سُن لیجئے خود آپ یہاں آ کے زبانی
میں خط میں لکھوں آپ کو احوال کہاں تک

جب جانوں وہاں جا کے پچو بادہ کشی سے
جاؤ تو بھلا شیخ دیرِ پیرِ مغاں تک

رکھتے کفتے نزاکت سے جو پاؤں کو زمیں پر
باقی نہیں اب نام کو بھی ان کے نشاں تک

مجبور رہوں میں بات کے کہنے میں کہ ہمدم
آگ اٹھتی ہے اک دل سے کہ جلتی ہے زباں تک

یوں اور بھی صافی ہیں بہت سے سخن آرا
پہنچا نہیں کوئی مرے اندازِ بیاں تک

●●

O

گر مدعا سے کام ہو تو مدعا نہ مانگ
ہمت جو ہو خدا سے بھی غیر از خدا نہ مانگ

گر ہاتھ ٹوٹ جائیں کسی کی مدد نہ لے
گر پاؤں ٹوٹ جائیں کسی سے عصا نہ مانگ

بالش نہ ہو تو ہاتھ کو رکھ اینٹ بھی نہ چاہ
بستر نہ ہو تو خاک پہ سو بوریا نہ مانگ

بے طاقتی ہے باعثِ عصمت گناہ سے
گر مبتلا ہو شکر بجا لا دعا نہ مانگ

نازِ طبیب سے ہے بہت سہل رنج درد
بیمار ہو تو صبر سے رہ اور دوا نہ مانگ

مانگے کی پونجیاں ہیں یہ ہاتھوں میں خلق کے
ان مفلسانِ دہر سے بھیک اے گدا نہ مانگ

پنہاں ہے صحتِ ابدی دردِ عشق میں
اے مشرقی جو موت بھی آئے شفا نہ مانگ

●●

یہ قہر ہے کہ ان سے ملاقات کا خیال
دشمن سے کبھی ہے ہم کو مدارات کا خیال

اس فتنہ گر کی یاد سے ہر دم بپا ہے حشر
دن کا جو قہر ہے تو غضب رات کا خیال

شب کو یہ منہ چھپا کے کہاں شیخ جی چلے
ہے کس طرف کو قبلۂ حاجات کا خیال

باقی جو کچھ ستم ہوں تو وہ بھی سہی مگر
ہو کیوں تمہیں تلافیِ مافات کا خیال

واعظ! تجھے نجات کی کیا مل گئی پسند
کس بات پر ہے تجھ کو مباہات کا خیال

اصلِ وجود جب ہو انسان کی نظر
باقی رہے نہ دل میں کبھی ذات کا خیال

رندوں پہ مئے حلال خدا سے کرائیں گے
ساقی کو آج کل ہے مناجات کا خیال

اے شیخ خانقاہ سے جاتا ہوں کیا کروں
دل سے گیا نہ پیرِ خرابات کا خیال

آگاہ ہم بھی ہوں تو بُرا کیا ہے مشرقیؔ
کہئے تو کون سی ہے مہمات کا خیال

●●

نہ غرض عیش سے ہے اور نہ آرام سے کام
مجھے کونین میں ہے اک دلآرام سے کام

مجھے جس دن سے پڑا اک بتِ خودکام سے کام
نہ رہا کفر سے مطلب کچھ اسلام سے کام

اپنی گردش سے جسے کام پڑا اے چرخ
نہیں کچھ اس کو تری گردشِ ایّام سے کام

وہ ملک کی بھی دعا کے نہیں طالب جن کو
تری جھڑکی سے ہے مطلب تری دشنام سے کام

نظرِ پیرِ خرابات کی جُویہ سے کہ ہیں جو رند
مشرقیؔ ان کو نہیں کچھ بھی مئے و جام سے کام

●●

۱

ہوں بے سر و بے ساماں یا شیخ فریدالدین
مشکل ہو مری آساں یا شیخ فریدالدین

کی خاک شکر تم نے فرمائی شکر پھر خاک
پھر میں نہ ہوں انساں یا شیخ فریدالدین

میں آپ کا ہوں بندہ اور آپ مرے آقا
لوں غیر کا کیوں احساں یا شیخ فریدالدین

خورشیدِ قیامت سے کیا ڈر ہو مجھے آخر
جب آپ کا ہے داماں یا شیخ فریدالدین

تم جب ہو مرے ساقی مخمور رہوں پھر کیوں
دو جام مئے عرفاں یا شیخ فریدالدین

سلطانِ جہاں تم ہو اور قطبِ زماں تم ہو
تم سا ہے کہاں ذیشاں یا شیخ فریدالدین

درباں تمہارے کیوں قدسی نہ ہوں جب تم ہو
خاصِ حرمِ یزداں یا شیخ فریدالدین

فیضِ دمِ جاں بخش اب مطلوب ہے حضرت سے
میں غم سے ہوا بے جاں یا شیخ فریدالدین

اَلفَقرُ سَوَادُ الوَجہ جب سے ہے سنا میں نے
ڈگمگ ہے مرا ایماں یا شیخ فریدالدین

تم اہلِ خطا کو بھی پہچانتے ہو مقصد یہ
کیوں تم پہ نہ ہوں نازاں یا شیخ فریدالدین

اس در پہ زمانے سے یہ مشرقیِ خستہ
ہے منتظرِ درماں یا شیخ فریدالدین

---

۱ یہ غزل حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ سے منسوب ہے۔

ہمارا ماہ مگر آج بے حجاب نہیں ‏ وگرنہ کیا ہے جو بدلی میں آفتاب نہیں
کچھ اس سے اچھی ہے آب و ہوائے کوچۂ یار ‏ ہوائے خلد بھی ہر چند کچھ خراب نہیں
نہ کیجو طعن کسی میکشوں پہ اے زاہد ‏ اگر تمہیں ہوسِ لذتِ شراب نہیں
ترے ہی رخ کی خجالت سے آب آب ہوا ‏ یہ شبنموں سے تر صورتِ گلاب نہیں
محبتوں کا تو کرتے شمار ہم لیکن ‏ ہمارے ہجر کی راتوں کا کچھ حساب نہیں
کھلی ہے آنکھ مری انتظارِ ساقی میں ‏ جو مئے قدح ہی نہیں آنکھ میں بھی خواب نہیں
ہے خوئے یار کی مانند اس کی شعلہ زنی ‏ مجھے تو آتشِ دوزخ میں کچھ عذاب نہیں
نقاب سے بھی عیاں حسن ہے نرا سچ ہے ‏ چراغ کے لئے دامن تو کچھ حجاب نہیں

مرا تو خود اسی غم میں جلا ہے دل صافی
اسی لئے تو مجھے خواہشِ کباب نہیں

کب تک فریبِ شیخ میں ہم ہاؤ ہو کریں ‏ جی چاہتا ہے جانبِ میخانہ رو کریں
زاہد تو نقد چھوڑ کے نسیہ پہ آپ کے ‏ ہم وہ نہیں جو ترکِ مئے مشکبو کریں
ہم کو تو پیرہن ہی نہیں جو برہنگی ‏ ہر کس کو پھاڑیں اور کسے ہم رفو کریں
اک جرعہ جو پلا دیں تو سب رنج دور ہوں ‏ ہم شیخ تجھ سے کیا ہیں جو سو بار چھو کریں

پندار آ گیا ہے طہارت کا زاہدا
جاتے ہیں میکدہ کو کہ مئے سے وضو کریں

جز ذکرِ بات اہلِ نظر بولتے نہیں
رہتے ہیں فکرِ حق میں اگر بولتے نہیں

آباد اِدھر سے کم نہیں کچھ شہرِ خامشاں
ہاں فرق ہے یہی کہ ادھر بولتے نہیں

سمجھے وہ ہو جو فیضِ سلیماں سے کامیاب
بے ہودہ مرغِ شام و سحر بولتے نہیں

تلقین زبانِ حال سے کرتے ہیں خامشی
گو کچھ زباں سے نخل و حجر بولتے نہیں

رندوں سے بڑھ کے لو نہ زاہد کہ اہلِ دل
وہ بات جس میں ہو نہ اثر بولتے نہیں

اپنے کو کیا بتوں نے خدا ہی سمجھ لیا
سنتے ہیں سب کی بات مگر بولتے نہیں

جو بزمِ معرفت میں ہیں مستانہ شمع سے
ہر دم ہیں گرچہ سوختہ تر بولتے نہیں

ہم کہتے تھے نہ شیخ پھرو میکدہ چلو
کعبہ کا کیا ہوا وہ سفر بولتے نہیں

کیا مشرقی نے آج نہیں پی جو منہ بنائے
بیٹھے ہیں بابِ میکدہ پہ بولتے نہیں

●●

آبِ حیواں میں ہو زہر اب تو کیا کہتے ہیں
لب تمہارے مجھے پیغامِ قضا کہتے ہیں

ہم وہ سالک ہیں جو دنیا سمجھتے ہیں غبار
اور محشر کو بھی اک تند ہوا کہتے ہیں

دولِ ایام کی کیا فکر ذرا سُن تو سہی
ہنس کے ساقی لبِ ساغر تجھے کیا کہتے ہیں

کچھ عجب حضرتِ واعظ ہیں کہ ہم رندوں سے
بات جو کہتے ہیں وہ بے سروپا کہتے ہیں

حضرتِ پیرِ مغاں سے یہ کوئی عرض کرو
مشرقی در پہ زمانے سے دعا کہتے ہیں

●●

○

ماجرائے غمِ دروں نہ کہوں
روک لے ہاں اگر سکوں نہ کہوں

آپ ہی کون حضرتِ ناصح
اپنا جی جان دوں کہوں نہ کہوں

آپ سُنئے تو کچھ کہوں حالت
اور کہئے تو چپ رہوں نہ کہوں

یہی انصاف ہے کچھ اے ساقی
پیاس کے مارے جان دوں نہ کہوں

اس سے خونخوار سے تو دکھ اپنا
مشرقی! اگرچہ دل ہو خوں نہ کہوں

●●

○

پہلو میں میرے جب سے وہ آرام جاں نہیں
آرام جاں ہی جسم میں تاب و تواں نہیں

کیا اس کو دوں کہ کوئی بڑی چیز جاں نہیں
ہے بھیک یار دل میں یہ دردِ نہاں نہیں

زاہد حقیقت اپنی جو تجھ پہ عیاں نہیں
تجھ کو نصیب بیعتِ پیرِ مغاں نہیں

ہر بوالہوس نہ عشق کا کیوں کر ہو مدعی
سنتا ہوں اب کہ ان کو سرِ امتحاں نہیں

بندہ بھی تیرے ساتھ کبھی اس مکاں میں تھا
اس وقت لامکاں میں مِرا گو مکاں نہیں

میرا دلِ شکستہ ہے نقشِ قدم ترا
وہ خود ہیں گم جو کہتے ہیں تیرا نشاں نہیں

اُڑتی ہے گرد عالمِ دل میں بھی آہ سے
تیرے قدم سے فتنۂ محشر کہاں نہیں

کیا فکر جام توڑ کے توبہ کو مشرقی
[illegible] پیالہ کی کچھ گراں نہیں

●●

نگہِ مہر تمہاری جب ادا سے بھی نہیں
پھر کچھ امید مجھے اپنی قضا سے بھی نہیں

نہیں دیتا جو خبرِ وصل کی مجھ کو قاصد
وائے حسرت تجھے دینا وہ دلاسے بھی نہیں

عاشقِ درد ہوں چھیڑو نہ طبیبو مجھ کو
جب شفا سے نہیں مطلب تو دوا سے بھی نہیں

کس توقع پہ ہو پھر تیری وفا سے امید
جب جفا کار تجھے کام جفا سے بھی نہیں

وادیٔ شوق میں کیا پیاس بجھے گی میری
سنتے ہیں اب وہ مرے خون کے پیاسے بھی نہیں

مشرقیؔ ہار دیے عشق کی بازی میں جی
پھینکے دو ہاتھ ابھی تم نے تو پاسے بھی نہیں

مخمور رکھو ہمیں ساقیِ خود سر سے کیا کہیں
مفلس ہیں گرچہ ایسے تونگر سے کیا کہیں

تر دامنی کی شرم سے ہم غرقِ عرق ہیں
خشکی کو لب کی ساقیِ کوثر سے کیا کہیں

جز خندہ اور کچھ نہ ہو جب بات کا جواب
ہم اپنی تشنگی لبِ ساغر سے کیا کہیں

سمجھیں گے خاک وہ جو ہیں دیوار و در میں قید
جو لطف بڑھ کے دشت میں ہے گھر سے کیا کہیں

خود بیں وہ آئینہ سے ہوا دل کو چھوڑ کر
کیا چوک ہو گئی ہے سکندر سے کیا کہیں

گم یا ہلاک دشتِ محبت میں ہو تو ہو
سنتا ہی جب نہیں دلِ مضطر سے کیا کہیں

اے جذبۂ شوق کس سے کہیں اب ترے سوا
خود ہی جو کھو گیا ہو تو رہبر سے کیا کہیں

جب دل کا نام سن کے وہ چڑ جائے مشرقیؔ
پھر اپنے دل کے حال کو دلبر سے کیا کہیں

میں بھی کلام کرتا مجھ آپ کے سخن میں
ہاں آپ کی زباں جو ہوتی مرے دہن میں

تیرے ہی شوق میں ہے جو روح ہے بدن میں
تیرے ہی ذکر میں ہے جو ہے زباں دہن میں

اللہ رے نزاکت تیرے سخن سخن میں
گویا کہ برگ گل ہے تیری زباں دہن میں

خلوت میں تو نے زاہد دیکھی تھی یہ تجلی
جو رات تو نے دیکھی ساقی کی انجمن میں

محشر میں بھی وہی تھا دستِ جنوں ہمارا
چھوڑا نہ ہم نے باقی اک تار بھی کفن میں

فتنے اٹھا کے ہر سو ہر اک سے پوچھتے ہیں
تم نے سنا کسی سے کچھ بھی مرے چلن میں

ہم آج خوب روئے وہ بو صبا سے پا کر
سونگھا تھا جس کو ہم نے اس گل کے پیرہن میں

کتنی بلائیں جھیلیں کم بخت دل نے پھر بھی
لپٹا ہی جا رہا ہے اس زلفِ پر شکن میں

حق بیں نظر ہو تو ہے دونوں میں ایک جلوہ
کیا خانقاہِ صوفی کیا دیر و برہمن میں

رخصت کرا نہیں تھیں زاہد کے دیکھتے ہی
کیا ہی بھرا ہے جادو اس چشمِ سحر فن میں

غربت کا پھر گلہ کیا کیا یاد پھر وطن کی
غربت میں جیسے ہم ہیں یوں ہی تھے جب وطن میں

بے تیغ و تیر لاکھوں بے موت مار ڈالے
کیا نوک جھونک کی ہے چتون اس کے بانکپن میں

اس حسن کی جھلک نے مجھ پر گرا کے بجلی
کیا دفعتاً لگا دی اک آگ تن بدن میں

تم کیوں جلا رہے ہو ذکرِ رقیب کر کے
ہم آپ جل رہے ہیں جب عشق کی جلن میں

آتا نہیں تصور ان کا تو آئے وہ کیوں
خلوت میں جب نہ بیٹھے کیوں بیٹھیں انجمن میں

وہ گل سے گال تیرے دیکھے تو چشم بد دور
نرگس کو ٹکٹکی تھی تیری طرف چمن میں

جی میں یہ مشرقی ہے اب اس صنم سے ملنے
جائیں گے بتکدے کو ہم شکلِ برہمن میں

○

تو محتسب! نہ لگا شرط ہاتھ ساغر میں
لگی ہے تاک میں تیری ممات ساغر میں

تمام شب رہے اک دو، ہیں سبھی بے ہوش
نہ کچھ ملائی ہو ساقی نے رات ساغر میں

اُٹھ اور میکدہ میں بیٹھ کر تماشہ کر
ہے درد زندگی بے ثبات ساغر میں

عجیب رات کرشمہ دکھایا ساقی نے
کہ ایک ذرہ تھی کُل کائنات ساغر میں

ترے شکار کو اک ساحرہ پری زاہد
لگائے بیٹھی ہے مدت سے گھات ساغر میں

جو رس ہے یہ بھی کوئی طرفہ تار برقی کا
کہ ملتی ہے خبرِ شش جہات ساغر میں

ذرا تو دیکھ سہی چکھ کے زاہدِ بے جان
بجائے مے کے بھری ہے حیات ساغر میں

●●

کیسی پھیلی ہوئی ہے مشک کی خوشبو دل میں
کوئی چوٹا ہے کہ ہے نافۂ آہو دل میں

ایک تنکا نہ رکھا چور نے گھر میں باقی
نگہِ یار نے چھوڑا نہ سرِ مو دل میں

گو ہے ویران مگر ہے جو حسینوں کا خیال
ہر طرف پھولے ہیں گویا گلِ خودرو دل میں

کس طرف جائے مری جان طلب میں یارب
اب تو بس تو ہی نظر آتا ہے ہر سو دل میں

دونوں ہی چیز دیے ایسی کہ معلوم نہیں
دل ہے پہلو میں ہمارا کہ ہے پہلو دل میں

دستِ نازک سے ذرا پھر تو لگا نا ظالم
نہ ہوا کچھ بھی ترا تیر ترازو دل میں

گرچہ خاموش بظاہر ہوں بباطن لیکن
باتیں کرتی ہے کوئی چشمِ سخن گو دل میں

خون سے میرے وہ کیوں ہاتھ بھرے پھر اپنا
کام تلوار کا جب کرتے ہیں ابرو دل میں

درد یہ ہے کہ تڑپتی ہے جگر میں بجلی
چاند بدلی میں ہے یا ہے کوئی مہرو دل میں

ہیں یہ نالے کہ صدا ہے تری پاکوبی کی
داغ ہے یا ہے ترے پاؤں کا گھنگھرو دل میں

تیرے ماتھے کا یہ ٹیکہ ہے کہ ہے چاند کوئی
ہے یہ سورج کہ گلے کا ترے جگنو دل میں

تیرے ابرو ہیں کہ ہیں زہر کے خنجر چلتے
مارتے پھرتے ہیں یا نیش کوئی بچھو دل میں

جان و ایمان و خرد لے چکے تیرے غمزے
کیا کریں گے نہیں معلوم یہ ڈاکو دل میں

پی گئے ہم جو جلن دل کی چھپانے کے لئے
الٹے اور آگ لگا بیٹھے ہیں آنسو دل میں

مشرقیؔ نام کو ایماں کا نہیں اپنے نشاں
بس گیا جب سے کہ اک دلبرِ ہندو دل میں

نہیں گردِ غمِ ایماں بھی ہنر ہو دل میں
گیسوئے یار نے دی خوب ہی جھاڑو دل میں

کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے بتا تو زاہد
ہے خدا کعبہ میں یا ہے بتِ دلجو دل میں

دل ہے یا آبلہ آگ ٹھیس میں لگ جاتی ہے
کوئی ارمان بدلتا ہے جو پہلو دل میں

یہ نہیں دل میں مرے نرگسِ جادو کا خیال
ہے جگاتا کوئی بیٹھا ہوا جادو دل میں

شاد رہ اے غمِ جاناں کہ چھپے ہم سب سے
کوئی جھگڑا نہ رہا جب تو رہا تو دل میں

صاف آئینہ ہے یہ شش جہت عالم کا
سیر اگر چاہے تو کیجئے ہر سو دل میں

تو ہی اب اٹھ کے ذرا غم کو سہارا دیدے
درد اب نام کو باقی نہیں قابو دل میں

تول لیتی ہے کھری بات ہو یا کھوٹی ہو
عقل کے پاس بھی ہے کوئی ترازو دل میں

تیرے جوڑے کے تعویذ میں نہیں تجھ کو تمیز
دل میں خانہ ہے کہ ہے نافہ آہو دل میں

مشرقی درد اٹھانے سے نہیں اٹھنے کا
اس کا بیٹھا ہے دبائے کوئی زانو دل میں

●●

وہی تجھ کو اے دل ربا دیکھتے ہیں
جو کچھ بھی نہ تیرے سوا دیکھتے ہیں

دکھائی نہ شکل آئینہ کو بھی تم نے
نہیں لوگ کیوں خود نما دیکھتے ہیں

اسی دل میں وہ صورتِ مدعا ہیں
وہ جس دل کو بے مدعا دیکھتے ہیں

خطا عشق میں ہے جو طاعت تو جنت
ہم اپنے کئے کی سزا دیکھتے ہیں

زمانہ کی ہو یا ہو قسمت کی گردش
ہم آنکھوں کی ان کی ادا دیکھتے ہیں

●●

ترا راز اہلِ فنا جانتے ہیں — مگر جانتے ہیں تو کیا جانتے ہیں

ترے درد کا کب مزا جانتے ہیں — جو اپنا بُرا یا بھلا جانتے ہیں

تری آشنائی سے وہ بہرہ ور ہیں — جو اپنے کو نا آشنا جانتے ہیں

بلا کو تری سمجھیں آسودہ دل کیا — یہ نعمت ترے مبتلا جانتے ہیں

خطا اُن کی طاعت سے کچھ کم نہیں ہے — جو طاعت کو اپنی خطا جانتے ہیں

ترے در پہ بیٹھے ہیں جو بن کے مفلس — وہی نسخۂ کیمیا جانتے ہیں

جو رہرو تری راہ میں کھو گئے ہیں — تری راہ کا وہ پتا جانتے ہیں

وہی مجھ کو پاتے ہیں جو داغِ دل کو — جہاں میں ترا نقشِ پا جانتے ہیں

رہِ کعبہ ہم سے نہ پوچھو کہ ہم تو — خرابات کا راستہ جانتے ہیں

انھیں آبِ حیواں سے اے خضر مطلب — جو مر جانے ہی کو بقا جانتے ہیں

زہے بخت ہم اپنے بختِ سیہ کو — تری کاکلِ مشک سا جانتے ہیں

دمِ مرگ ہی ان کو ہے عید کا دن — جو اپنے کو تم پر فدا جانتے ہیں

خدا جانتا ہے سوا بے خودوں کے — بُت و ہم کو سب خدا جانتے ہیں

یہ سچ ہے ہوئے مشرقی کبھی شرابی
کہ ان کو تو ہم پارسا جانتے ہیں

○

جرسِ قافلہ ہم اپنی فغاں رکھتے ہیں — توشۂ رہ دلِ بیتاب و تواں رکھتے ہیں
نہ دکھا شیخ ہمیں اپنی جبیں کا گھٹا — ہم بھی پیشانی پہ اک بت کا نشاں رکھتے ہیں
تو ہی کہہ اے دلِ افسردہ کہ اس ضعف کے ساتھ — نالے رکتے ہوئے تاثیر کہاں رکھتے ہیں
لذتِ خستگیٔ زخم نہ پوچھو ہم سے — دل میں ہم راز کی مانند نہاں رکھتے ہیں
کچھ نہیں حاجتِ خورشید ہمارے گھر کو — ہم اسی شکل کا اک داغ نہاں رکھتے ہیں
ہوسِ نام نہیں نام کو گمناموں کو — نام والے ہوسِ نام و نشاں رکھتے ہیں

مشرقی ہم انھیں جان و دل و ایماں دے کر
اک یہی دیدۂ خوں نابہ فشاں رکھتے ہیں

●●

○

ہے مغفرت گواہ تری بارگاہ میں — گر جھوٹ کچھ بھی ہو مرے عذرِ گناہ میں
خط سا پڑا ہوں خوفِ مخافت سے راہ میں — چھپ جاؤں میں نہ یار کے تارِ نگاہ میں
غم میں یہ ہوں کہ ہو نہ وہ زلفِ سیاہ کی — ہے تیرگی جو غیر کے بختِ سیاہ میں
پردے پڑے ہوئے ہیں نگاہوں کے تار کے — ہے تابِ دید کس کو ترے جلوہ گاہ میں

تحسینِ شعر سے نہیں کچھ مشرقی حصول
برباد اپنی عمر نہ کر واہ واہ میں

●●

○

زاہد پہ قیامت میں نہ اُس بُت سے جفا ہو
جنّت میں جہنّم کا مزا ہو تو مزا ہو

میں رشک سے دشمن کے دعا بھی نہیں کرتا
شاید وہی اس کی نہ ہو جو میری دعا ہو

جب ٹوٹتے ہم دیکھتے ہیں کوئی ستارا
کہتے ہیں نہ اخترِ مرا پستی پہ گرا ہو

نوبت مری پہنچائی یہ تاثیرِ دعا نے
دشمن کو بھی کہتا ہوں کہ تیرا بھی بھلا ہو

ہو ہمسری زلف کا اک ان کو بہانہ
ہو اور جفا مجھ پہ اگر آہ رسا ہو

کیوں ہو نہ بد آموزیٔ دشمن کی شکایت
میں شکر کروں تو بھی وہاں جا کے گِلا ہو

جب تم سے وفا کی کوئی صورت نہیں بنتی
تم شرطِ جفا کو بھی نبا ہو نہ نبا ہو

جب بیٹھ رہے تھک کے دوا سے مری عیسیٰ
اے دردِ مرے درد کی اب تو ہی دوا ہو

دیوانہ سا بکتا ہے تری راہ میں کوئی
ایسا نہ ہو وہ مشرقیِ بے سر و پا ہو

●●

○

بیتاب تم نہ ہو کہ عدو کی قضا نہ ہو
ہم آہ ضبط اگر نہ کریں کیا سے کیا نہ ہو

ملتا ہے اس سے خلق میں مجھ کو ترا پتہ
میرا دلِ شکستہ ترا نقشِ پا نہ ہو

حج کو چلے ہیں مشرقیؔ اے رند دیکھنا
میخانہ ہو کے کعبہ کا رستا گیا نہ ہو

●●

مست رکھتا ہے خیالِ رُخِ جاناں مجھ کو
منزلِ عیش ہوا گوشۂ زنداں مجھ کو

نظر آتا نہیں جب سے مہِ خوباں مجھ کو
بڑھ کے ویرانے سے ہے عالمِ امکاں مجھ کو

جیب و دامن کی خبر دستِ جنوں نے جو نہ لی
طعنے دیتا ہے بہت چاکِ گریباں مجھ کو

جلوۂ یار کی محرومی نے دل خون کیا
عید کا چاند ہوا خنجرِ برّاں مجھ کو

کر دیا ہجر میں آنکھوں نے لہو پانی ایک
پھر بھی کیوں پھونکتی ہے آتشِ پنہاں مجھ کو

دلِ شوریدہ کی ہر وقت شکایت ہے یہی
کیوں بناتا نہیں اے شیخ نمکداں مجھ کو

آنکھ بھر دیکھا سراپائے ستمگر کو محوؔ
عید کا چاند ہوا خنجرِ برّاں مجھ کو

ہم نے جب تک تجھے ڈھونڈا نہ ملا تو ہم کو
آپ جب کھو گئے تو ہاتھ لگا تو ہم کو

ہم نے مانا کہ حق لیس کمثلہ تشبیہ
بارے کیسا ہے؟ کبھی منہ تو دکھا تو ہم کو

بہت اچھا کیا تو نے جو ہمیں درد دیا
کبھی دیتا تو مگر کوئی دوا تو ہم کو

گو ملی خاک میں لیس کر صفتِ دانۂ اشک
لیکن آنکھوں سے تو اپنی نہ گرا تو ہم کو

مشرقی تجھ کو ہمارے لئے زحمت کب تک
چھوڑ تقدیر پہ اب بہرِ خدا تو ہم کو

تم خلق کے سر پر ہو رحمت یا غوث الہند حبیب اللہ
ہے تم میں خدا ہی کی قدرت یا غوث الہند حبیب اللہ

ہے نام پاک معین الدین تو اعانت دین کی بھی تم سے ہوئی
تم شرع میں ہو حق کی حجت یا غوث الہند حبیب اللہ

مرقوم جبیں پہ حبیب اللہ قد مات فی حب اللہ کہا
جب تم نے جہاں سے کی رحلت یا غوث الہند حبیب اللہ

انسان ہی فیض نہیں پاتے کچھ تنہا آپ کی حضرت سے
پاتے ہیں ملائک بھی نعمت یا غوث الہند حبیب اللہ

ہاں المدد اب ہے وقت مدد عشرت کدۂ دل کو میرے
لشکر نے غموں کے کیا غارت یا غوث الہند حبیب اللہ

فریاد کو تم تک آیا ہوں ہاتھوں سے زمانے کے نالاں ہوں
ڈھائی ہے یہ سر پہ مرے آفت یا غوث الہند یا حبیب اللہ

کیا اس کا بگاڑا تھا میں نے جو اس نے مجھے بے بس کر کے
سب چھین لی مجھ سے مری راحت یا غوث الہند یا حبیب اللہ

اک عمر سے ہوں سرگرداں میں فکر سے اپنی پریشاں میں
دم بھر نہیں غم سے مجھے فرصت یا غوث الہند یا حبیب اللہ

امید کہ محروماں ہو فریادرس مظلوماں ہو
بگڑی ہے بنا دو مری حالت یا غوث الہند یا حبیب اللہ

عالم کو مرادیں تم نے دیں دنیا کی امیدیں پوری کیں
فریاد مری بھی روا حاجت یا غوث الہند یا حبیب اللہ

امید مری بھی بر لاؤ جب تم کو حضورِ حق سے ہے
امید بر آری کی خدمت یا غوث الہند حبیب اللہ

بے شبہ غریب نواز ہو تم بچھڑے ہوؤں کے دمساز ہو تم
ہو رشکِ وطن مری غربت یا غوث الہند حبیب اللہ

یہ مشرقیِ بے ساماں بھی ہے آپ ہی کے در کا بندہ
اس پر بھی ہو اک نظرِ شفقت یا غوث الہند حبیب اللہ

●●

○

آئے وہ میری لاش پہ لیکن ادا کے ساتھ
کیا فکر جو اب ہے ہماری قضا کے ساتھ

حسرت قتیلِ یاس ہے امید اسیرِ بیم
کتنے ہی مبتلا ہیں دلِ مبتلا کے ساتھ

کیوں میرے پاس آتا ہے دور اے ہجومِ یاس
اب مدعا نہیں دلِ بے مدعا کے ساتھ

بگڑے ہیں مجھ سے وصل میں غیروں کے ذکر پر
سیدھا ہوا اثر مری الٹی دعا کے ساتھ

رکھتے ہیں اپنی توبہ کو ہر روز کل پہ ہم
کیا کیا فریب کرتے ہیں ہم بھی خدا کے ساتھ

دشمن جو جان دے تو غمِ عشق میں نہ دوں
لایا ہوں میں اسے درِ جاناں تک جا کے ساتھ

جاگ اٹھے یوں نہ سبزۂ خوابیدہ مشرقی
موجِ خرامِ یار ہے موجِ صبا کے ساتھ

●●

○

جو سوئے دورِ شراب رندو نگاہِ پیرِ مغاں رہے گی
تو غم نہ کھاؤ کہ پھر مخالف نہ گردشِ آسماں رہے گی

پڑے تو ہو میرے دل کے پیچھے کچھ اپنی حسرت کی بھی خبر ہے
کہ اس کو ویراں اگر کرو گے تو پھر یہ آخر کہاں رہے گی

اگرچہ دل ایک قطرہ خوں ہے مگر ہے یہ سرمایہ دو عالم
کہ اے تونگر وہ ایک دولت یہی ہے جو جاوداں رہے گی

نشان اس بے نشاں کا زاہد نہ پاؤ گے سن رکھو نہ مجھ سے
جو سر میں سودائے نام ہوگا جو دل میں فکرِ نشاں رہے گی

یہاں کی آسانیاں بھی غافل نہیں ہیں دشواریوں سے کچھ کم
کہ فکرِ جاناں نہ ہوگی دل میں تو فکرِ کارِ جہاں رہے گی

جو چاہیے نام و نشاں وہ جانے نہیں تو ہے اک فنا کی خواہش
نہ سر پہ احساں زمیں کا ہوگا نہ منتِ آسماں رہے گی

نہ بوئے گل سے ہو شاد بلبل نہ نشترِ خار سے ہو غمگیں
کہ پھر نہ فیضِ بہار ہوگا نہ دستبردِ خزاں رہے گی

کبھی کرم بھی کرو کہ مجھ میں رہے ستم سہنے کی سکت کچھ
کہ یوں نہ دل میں سکوں رہے گا نہ جسمِ لاغر میں جاں رہے گی

گرے اگر بجلی اس چمن پر تو ہم کو اے باغباں نہیں ڈر
کہ پھر نہ رنجِ قفس رہے گا نہ حسرتِ آشیاں رہے گی

ستم کرو یا کرم کرو تم ہیں مغتنم دونوں ہی کہ آخر
نہ مجمعِ دشمناں رہے گا نہ مجلسِ دوستاں رہے گی

نہ رک ستمگر کہ دم ہے رکتا جو تیر چھوٹے تو جان چھوٹے
یہ تیرے ہاتھوں میں کب تلک آخر کھنچی ہوئی یوں کماں رہے گی

نہ مفت کھو اپنی عمر غافل کہ تیری ہر سانس ہے وہ گوہر
کہ جا بکنے پر تمام عالم سے اس کی قیمت گراں رہے گی

حضورِ پیرِ مغاں میں زاہد چلو مرے ساتھ غم نہ کھاؤ
عزیز ہوں گے نہ کیوں طفیلی جو عزتِ میہماں رہے گی

چلا ہے تو سوئے کعبہ لیکن خیال اے مشرقی یہ رکھنا
کہ فائدہ حج سے کچھ نہ ہوگا جو یادِ کوئے بتاں رہے گی

دل تو کاکل کا ہے وہ چور نظر کیا لے گی
باندھے جائے گی اگر مال پرایا لے گی

لے چلی ان کی جفا مجھ سے وفا کا وعدہ
یارب اب کیا مری قسمت کا نوشتا لے گی

رنج احباب کو کیوں ہو مری غمخواری میں
بیکسی ہے تو یہی خود مرا غم کھا لے گی

مے سے گر دامنِ رنداں پہ ہیں دھبے اے شیخ
کوئی دن آپ کی دستار بھی چھینٹا لے گی

میں گلا گھونٹ کے مر جاؤں گا جب مرنا ہے
مری ہمت تو نہ احسان کسی کا لے گی

ان کو آغوش میں لینے کی یہی دھن جو رہی
ایک دن جان مری، میری تمنا لے گی

نہ کریں آپ ابھی میری وفا کی تعریف
یہی اک روز سند آپ سے لکھوا لے گی

کھو کے دل جان کو اب زلف چلی پا لے گی
اور تاوان تجھے [illegible] ہی اٹھا لے گی

وہ پلٹنے کے نہیں اب مرے غم خانے میں
میں نے مانا یہ کہ دنیا کبھی پلٹا لے گی

حد بھی وحشت کی ہو کوئی مرے ویرانے میں
نام آنے کا یہاں کوئی بلا کیا لے گی

نہ پھریں آپ کبھی عزمِ ستم سے نہ پھریں
نازکی آپ کی خود آپ کو سمجھا لے گی

آج اترائی ہوئی سی نظر آتی کیوں ہے
کیا غضب کوچۂ دلدار کا رستا لے گی

اڑ کے کب دامنِ صحرا سے مری خاک اے چرخ
اس کے دیوار کے دامن کا سہارا لے گی

دودِ دل کو مرے اے چرخ سمجھنا نہ ہوا
دیکھنا چاروں طرف کو یہ گھٹا چھا لے گی

میری ایذا کے لئے ہے شبِ فرقت کافی
مفت کیوں تیری بلا سر پہ یہ جھگڑا لے گی

یہی اچھا ہے کہ تم ہاتھ نہیں آ سکتے
اور اگر ہاتھ لگو تو تمہیں دنیا لے گی

اپنی آغوش سے گر آپ نہ لپٹا لیں گے
گور آغوش میں اپنے مجھے لپٹا لے گی

خیر ہو یاس کی میری جو سلامت ہے یہ
گتھیاں کاموں کی میرے یہی سلجھا لے گی

غم سے بڑھ کر نہیں کچھ میری طبیعت کو پسند
یہی لے گی جو رہِ عشق میں توشا لے گی

مفت ہی پائے گا مئے خانہ کو تو خلدِ بریں
پوری مستی تری آنکھوں پہ اگر چھا لے گی

○

خوشی ہو گیا مجھے اس خوش ادا کے آنے کی — جب اس کے ساتھ خبر ہے قضا کے آنے کی

گلوں کو باغ میں کانٹوں میں کیا گھسیٹو گے — ستم ہے جو تمہیں دامن اٹھا کے آنے کی

ہمارے نالوں نے سیکھی ہے اک یہی عادت — زمیں پہ حلقۂ گردوں ہلا کے آنے کی

ہوا ہماری محبت کا فیصلہ معلوم — جو بوالہوس کی بھی ٹھہری بلا کے آنے کی

ہمیں بھی آپ کی وہ بات مشرقی ہے یاد
شراب خانہ میں منھ کو چھپا کے آنے کی

○○

○

وفا میں نے جو کی غیر پہ جفا ٹھہری — مری وفا مرے دشمن کا مدعا ٹھہری

پیامبر ترے قربان جاؤں کہہ تو سہی — کہ میرے قتل میں پھر ان سے بات کیا ٹھہری

کوئی مریض نہ ہو کم نصیب مجھ سا بھی — کہ میرے درد کی اب موت اک دوا ٹھہری

خوشی ہو وعدۂ محشر سے مشرقی مجھے کیا
کہ دید کی بھی جو ٹھہری تو برملا ٹھہری

○○

○

غضب ہے گر چہ چشمِ یار میں تحریر سُرمہ کی
مگر مرنا ہی تھا مجھ کو تو کیا تقصیر سُرمہ کی

گرا ہے کچھ نہ کچھ پیمانہ میں چشمِ سخن گو سے
ہماری خامُشی سے ہے عیاں تاثیر سُرمہ کی

زباں گونگی ہے میری شکوۂ تقدیر میں اپنی
ہماری ہے مگر یارب خطِ تقدیر سُرمہ کی

نہیں معلوم آنکھیں ان کی کرتیں قتل کس کس کو
نہ ہوتی پائے مژگاں میں اگر زنجیر سُرمہ کی

سخن گوئی بڑھی اور آپ کی آنکھوں کی سُرمہ سے
یہاں اُلٹی ہوئی ہے واہ رے تاثیر سُرمہ کی

نہ پائی خاک بھی آنکھوں میں ان کی کچھ جگہ میں نے
کہیں اچھی ہے میرے بخت سے تقدیر سُرمہ کی

ہلالِ چشم ہو جائے گی آخر آبرو اس کی
بڑھی ہے ان دنوں کچھ بے طرح توقیر سُرمہ کی

جو عکسِ چشمِ ساقی جام کے اندر پڑا تھا جی
ہوا ہوں میز باں میں دیکھ کر تصویر سُرمہ کی

نہ ہوئی کوچۂ جاناں جو جنت میری
کیا کوئی محنت دوزخ تھی محبت میری

دعوئ قتل میں کیا پیش چلے گی حجت
جب کہیں گے وہ خدا دیکھ نزاکت میری

چیر کر دیکھ لیا دل کو تو پھر کیا دیکھا
اس میں دیکھا نہیں جب خوں شدہ حسرت میری

ایسے سفاک کو دیتا نہ جو سمجھا ہوتا
دلِ مرحوم پہ روتی ہے ندامت میری

اس بلا میں بھی سیاہی و درازی ہے وہی
ان کی زلفوں کا ہے سایہ شبِ فرقت میری

بزم میں وہ مجھے بیگانہ سمجھ کر چپ تھا
آشنا میں نے کہا کیوں اسے شامت میری

مشرقی دوست نہیں سنتے بیانِ دشمن
کوئی کرتا ہے تو کرنے دو شکایت میری

چٹکیاں لیتا ہے دل میں مرے چھپ کر کوئی
اس میں پوشیدہ ہے عیار مقرر کوئی

میں تو جینے ہی سے تنگ آ کے مرا بیٹھا ہے
مارتا کیوں ہے مری قبر پہ ٹھوکر کوئی

یوں خلش میرے دلِ خستہ میں ارماں کی ہے
جس طرح ٹوٹ کے چبھتا ہوا نشتر کوئی

مدد اے شوق کہ میں بھول کے بیٹھا رستہ
دشتِ حیرت میں پڑا ہوں نہیں رہبر کوئی

کیا مزا ہو جو علی الرغم خیالِ زہاد
صفِ مژگاں سے الٹ دے صفِ محشر کوئی

اے فلک تو نے ملایا مجھے مٹی میں مگر
بارے پھل تجھ کو ملا مجھ کو مٹا کر کوئی

مجھ پہ تلوار چلانے میں جو کرتا ہے دریغ
بارے چلتا ہوا فقرہ ہی ستمگر کوئی

ہو نہ ہو مشرقیِ رند ہے اے پیرِ مغاں
ہے گلی میں جو بچھائے ہوئے بستر کوئی

وہ مجھے دیکھنے آئے تو قضا بھی آئی
نعمت آئی جو مرے پاس بلا بھی آئی

وہ بہار آئی وہ مستانہ گھٹا بھی آئی
دیکھ زاہد مرے توبہ پہ بلا بھی آئی

بخت خوابیدہ نہ جاگا مرا اے وائے نصیب
بارہا آہ مری اس کو جگا بھی آئی

میرے دل میں کبھی آئے جو وہ بھولے بھٹکے
مجھ پہ تانے ہوئے برچھی کو ادا بھی آئی

وائے قسمت شب وعدہ جو وہ آئے بھی تو یوں
اُن سے لپٹی ہوئی ساتھ اُن کی حیا بھی آئی

ظاہری حُسنِ بتاں چھوڑ کے سچ کہہ زاہد
تجھ کو اُن میں نظر شانِ خدا بھی آئی

کوسنے دے کے وہ کہتے ہیں کہ میرے حق میں
تیرے لب تک کبھی کم بخت دعا بھی آئی

کہتے ہیں تو نے جگہ گھر میں مرے غیر کو دی
ان کی حسرت جو مرے دل میں ذرا بھی آئی

بجھ گئی آتشِ دل میری تو کیوں آگ ہوئے
کبھی مجھ تک آپ کے دامن کی ہوا بھی آئی

مشرقی گھورتے ہو تم جو بتوں کو اس طرح
شرم تم کو کبھی اے مردِ خدا بھی آئی

عجب نہیں جو مری آہ لب پہ آ کے گری
کہ سانس بھی مری غش لاغری سے کھا کے گری

فلک پہ آہ بھی میری دعا بھی جا کے گری
کہ میرے ضعف سے غش میری سانس کھائے گری

پتہ نشاں کوئی پتے نہ کوئی آشیاں کا ہے
الٰہی کون سی بجلی چمن پہ آ کے گری

عجیب تھی مری افتادگی کی یہ تاثیر
کہ آسمان پہ فریاد میری جا کے گری

پیام ضعف صبا لے چلی تو جانب یار
تو بار بار زمیں پر یہ تلملا کے گری

ہمیں نہ جا کے گرے ان کے پاؤں پر زاہد
قدم پہ پیر مغاں کے قضا بھی آ کے گری

نہ میرے بخت کی گردش کو مشرقی کچھ پوچھ
فلک سے آہ اٹھی اور دعا بھی آ کے گری

○

نزع میں میرے تو لب پر جانِ زار آنے کو تھی
اور ہنسی ان کے لبوں پہ بار بار آنے کو تھی

اف رے عدو کے جلاتے مارتے ہیں وہ مجھے
میری قسمت میں یہ قیامت بار بار آنے کو تھی

رات کیا واعظ کو تھا رندوں کا آنا ناگوار
بزم میں جس دم شراب خوشگوار آنے کو تھی

خاک میری آسماں نے کس لئے برباد کی
کون سی راحت مجھے زیرِ مزار آنے کو تھی

کس طرح ناصح طبیعت روک لیتے اپنی ہم
اس حسین صورت پہ جب بے اختیار آنے کو تھی

کیوں نہ تسبیح و مصلیٰ بیچ دیں اے مشرقی
روز حضرت کے لئے جب کہ اُدھار آنے کو تھی

●●

○

کسی کی نظر جو پلٹ جائے گی
تو دنیا ہی ساری الٹ جائے گی

خوشی کے زمانے ہوئے جب بسر
تو غم کی گھڑی یوں ہی کٹ جائے گی

وہ پلٹیں گے میری طرف کو جبھی
جب تقدیر اپنی پلٹ جائے گی

بری عمر کے دن تو یاد سب گئے
کبھی ہجر کی شب بھی گھٹ جائے گی

بڑھائیں جو ساقی کے وہ حوصلے
تو چھائی ہی زاہد کی پھٹ جائے گی

نہ پھیر مشرقی زلفِ بت ناگر کے گرد
وہ کالی بلا ہے چمٹ جائے گی

●●

○

جنت ہے داغ گر جو قفس ہے جہاں مجھے
آرام کچھ یہاں ہے نہ راحت یہاں مجھے

اے خضرِ راہِ عشق میں جب موت ہے حیات
کیا کام دے گی زندگیِ جاوداں مجھے

کیا خانقاہ و میکدہ کیا دیر و کعبہ میں
دیکھا تجھی کو لے گئی وحشت جہاں مجھے

دوزخ سے کچھ بہشت بھی کم ہجر میں نہیں
اے موت لا کے چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

میں نے جو جان دینے میں پائی ہیں وہ لذتیں
دوں مول لے کے اور جو مل جائے جاں مجھے

تیزی دکھا رہی ہے دمِ تیغ یار کی
ٹکڑے کرے گی کیا مری عمرِ رواں مجھے

مجھ کو تو تجھ سے کام ہے کوئی دکھائے راہ
اے کاش دے دے غیر ہی تیرا نشاں مجھے

دل کی رہی صدا ہے ہجومِ سرشک میں
اک دن ڈبو کے چھوڑے گا یہ کارواں مجھے

فتنوں سے زندگی کے اجل نے چھڑا دیا
صد شکر میری قبر ہے دارالاماں مجھے

اک نازنیں کے عشق نے یہ گُل کھلائے ہیں
موجیں شمیم گُل کی ہوئیں بیڑیاں مجھے

دل کی یہی رہیں گی اگر بے قراریاں
رُسوا ہی کر کے چھوڑے گا یہ رازداں مجھے

صیّاد تو میرے لئے تکلیف کیوں اٹھائے
جب آپ ہی قفس ہے مرا آشیاں مجھے

کیا خاک جی لگے مرا دریا کی سیر میں
فرقت میں آبِ تیغ ہے آبِ رواں مجھے

جل بجھ گیا بھی چرخ تو کیا اس سے مشرقی
جب پھونک دے گی آتشِ سوزِ نہاں مجھے

●●

○

کیا یہ دوست نے حال آنکھ سے گرا کے مجھے
کہ دیکھتے نہیں دشمن بھی آنکھ اٹھا کے مجھے

شبِ فراق میں آئی نہیں جو نیند نہ آئے
نصیب جا کے کہاں سو رہا جگا کے مجھے

تری طلب میں کسی نے دیا نہ ساتھ مرا
نسیم بھی ہوئی چلتی ہوا بنا کے مجھے

نیا ستم ہے کہ اب وہ ستم نہیں کرتے
بنا کے جور کا خوگر ستا ستا کے مجھے

دلِ خراب نے کی رہبری مری اچھی
کہ آپ کھو گیا وہ راستہ پہ لا کے مجھے

خدا سے طالبِ مے ہوں نہ کر تعجب شیخ
خلافِ وضع یہ مسجد میں آج پا کے مجھے

میں جانتا تو نہ ثابت قدم کبھی رہتا
وہ گھر گئے ہیں ندامت میں آزما کے مجھے

نہیں کہ اُن کو نہیں مجھ سے مشرقی الفت
وہ دیکھتے ہیں عدو کی نظر بچا کے مجھے

●●

یہی بہت ہے نہ لگائیں گلے وہ آ کے مجھے | چھری تو حلق پہ پھیریں کبھی بلا کے مجھے
نگاہِ یار ہے یا رب کہ تیر یا جادو | کہ ملتی ہی وہ رہی خاک میں ملا کے مجھے
ہوائے کوچۂ جاناں کی دھن بڑھا دی اور | اجل نے باغِ ارم کی ہوا کھلا کے مجھے
جو میرے نالوں سے راتوں کو سو نہ سکتے تھے | وہ سو گئے چین سے اب خاک میں ملا کے مجھے
عدم میں میں نے بگاڑا تھا کچھ جو تو نے فلک | گناہگار بنایا بشر بنا کے مجھے
نہ باز آئے محبت سے مل کے خاک میں بھی | دل و جگر بھی ملے تھے عجب بلا کے مجھے

میں سب سے آپ ہی رہتا ہوں مشرقی دب کر
وگرنہ یوں تو نہ رہتا فلک دبا کے مجھے

●●

میرے نالے ہیں غضب شور مچانے والے
خاک میں شورِ قیامت کو ملانے والے

تنگیٔ دل سے مری ایک خوشی تنگ نہیں
غم بھی کہتا ہے کہ اب ہم نہیں آنے والے

آہ مجھ سے نہ رکی آپ سے شوخی نہ تھمی
روکنے سے کہیں رکتے بھی ہیں جانے والے

دل کے داغوں سے مرے اشک بھی جل کر نکلے
آگ پانی میں ہیں یہ پھول لگانے والے

●●

شکارِ دامِ غمِ بے حساب کر کے مجھے
مرے وجود نے مارا عذاب کر کے مجھے

نگاہِ یار نے مستِ شراب کر کے مجھے
بٹھایا کوئے مغاں میں خراب کر کے مجھے

نہ دے کچھ اور فلک فرصتِ نظارہ تو دے
اس انجمن میں کبھی باریاب کر کے مجھے

وفا شعار نہ کہتے وہ بے وفا کہتے
وہ پوچھتے تو کبھی کچھ خطاب کر کے مجھے

اب ایک گھونٹ میں اغماض حیف اے ساقی
حریصِ لذتِ جامِ شراب کر کے مجھے

وہ بار اٹھانے کو جس کو فلک اٹھا نہ سکا
قضا نے بھیج دیا انتخاب کر کے مجھے

غرض یہ وعدہ سے تھی نیند میں بھی ہو لذت جلیں
نہ آئے خواب میں مشتاقِ خواب کر کے مجھے

کسی کی کاکلِ پیچاں نے عمر بھر رکھا
اسیرِ سلسلۂ پیچ و تاب کر کے مجھے

بنایا کس لئے پھر تو نے آسماں مجھ کو
بگاڑنا تھا جب آخر خراب کر کے مجھے

یہ کہہ کے حشر میں تم آپ تھے نہ طالب جو
انھوں نے کر دیا چپ لاجواب کر کے مجھے

وہ بے حجاب تھے جب میں حجاب کرتا تھا
حجاب کرنے لگے بے حجاب کر کے مجھے

فلک کا مجھ کو کیا حق نے مشرقی ممنون
غلامِ بارگہِ بوتراب کر کے مجھے

مٹوں کاوش میں حسرتِ دل یہی ہے
تری راہ میں پہلی منزل یہی ہے

وفا بھی ہماری بھرا اے دل یہی ہے
جو اندازِ بیدادِ قاتل یہی ہے

میں اپنے پریشان دل کا ہوں شاکی
خمِ زلفِ پیچاں پہ مائل یہی ہے

دیکھ پھر کر ادھر او ناز سے چلنے والے / ہر قدم پر دلِ عشّاق کو ملنے والے

جا رہا ہے کدھر لے دل یہ وہی ہیں غافل / لے کے دل ہاتھ میں چٹکی سے مسلنے والے

کون سے لوگ ہیں اربابِ نصیحت یارب / شکل تو خضر سی اور زہر اُگلنے والے

تو جو سچا ہو تو لا کر ہمیں دکھلا واعظ / ہم نہیں ذکر سے حوروں کے بہلنے والے

ضعف کی عمر دراز اس کی بدولت اے دل / لاکھ ٹالیں وہ ہمیں ہم نہیں ٹلنے والے

صورتِ رند کبھی صورتِ درویش کبھی
مشرقی تم ہو بڑے بھیس بدلنے والے

کہیں گے دامنِ تر میں ذرا پناہ ملے / جو ہم سے رند سے محشر میں بے گناہ ملے

کدھر نگاہ تھی دیکھو اُدھر نگاہ ملے / تمہارے دیدۂ غمّاز دو گواہ ملے

تھکے ہیں کعبے سے آتے ہیں تشنگی ہے بہت / ہمیں بھی پیرِ مغاں میکدہ میں راہ ملے

ہوں کم نصیب مگر مجھ کو تم سے نسبت ہے / کہ مجھ کو بخت ہو گیسو تمہیں سیاہ ملے

درِ مغاں پہ نہ ہو محتسب بہت سرکش / یہاں تو جھک کے گداؤں سے بادشاہ ملے

بس اب تو تنگ کیے بہت آپ حضرتِ ناصح / کہاں کے آپ بڑے مجھ کو خیر خواہ ملے

بنے گی مشرقی رند خوب ہی مجھ سے
جو راستہ میں کہیں شیخ دیں پناہ ملے

کیا ہی واعظ بھی تری دیکھ کے صورت بھولے
خوب ہی کھوئے گئے وعظ کو حضرت بھولے

نہیں انسان جو گزری ہوئی حالت بھولے
رنج میں عیش تو راحت میں مصیبت بھولے

آگے رندوں کے بڑی بات نہ بولو زاہد
آدمی وہ نہیں جو اپنی حقیقت بھولے

اس کو کیا یاد نہیں گردشِ چشمِ ساقی
اپنی گردش پہ نہ ایسی بری قسمت بھولے

ڈون کی لیتے تھے رندوں سے بہت حضرتِ شیخ
ایک ہی چھینٹے میں وہ ساری شیخیت بھولے

جو نہ معشوق سے عاشق کی طبیعت بدلے
یہ کہا اس نے تو ہم ساری اذیت بھولے

نہ کبھو تیر کے کھانے کا مزہ یاد رہے
اس کا مشتاق ہو دل اور یہ لذت بھولے

جا رہے تھے درِ میخانہ سے ہو کر زاہد
کعبہ کا راستہ وہ قبلۂ حاجت بھولے

دشمنوں کو بھی نصیحت نہ ہوئے پیری میں ہم
دوستوں کی جو جوانی میں نصیحت بھولے

سب تو ممکن ہے مگر یہ نہیں ممکن واعظ
مشرقی پیرِ خرابات کی صورت بھولے

○

پالا مجھے ایسے بُرے سے پڑا کبھی بھول کے بھی جو بھلا نہ کرے
جو وفا کو کہو تو وفا نہ کرے جو جفا کو کہو تو جفا نہ کرے
جسے راحت جی کی ہو مدِ نظر اسے چاہئے جی کا کہا نہ کرے
جو دوا کو کہے تو دوا نہ کرے جو دعا کو کہے تو دعا نہ کرے
جو امید بر آئی اپنی کبھی تو مصیبت اور بھی دونی ہوئی
بسِ وصل فراق کی ہے وہ گھڑی کہ نصیب عدو بھی خدا نہ کرے
اسے کہتے ہو دوستو کیا جا کر مرے درد کی خاک ہو اس کو خبر
کسی غمزہ سے خوں نہ ہو جس کا جگر کسی ناز پہ دل جو فدا نہ کرے
میرا تو یہ حال کہ آٹھ پہر میں شوق میں اس کے رہوں مضطر
اور وہ اس درجہ کا خودسر کہ کسی کا خیال ذرا نہ کرے
لو تم کو ہو اے رندو مژدا یہی آتی ہے حضرتِ حق سے صدا
بخشش سے نہیں اس کو حصّہ جو خطا نہ کرے جو خطا نہ کرے ●●

○

خواہشِ مرگ اگر ادا نہ سُنے   موت ہے پھر اگر قضا نہ سُنے
اس سے جاتے ہیں ہم گِلہ کر لئے   غیر کا جو کبھی گِلہ نہ سُنے
نہ لگے زلف کی اسے بھی ہوا   چھپ بھی رہ دل کہیں صبا نہ سُنے
زخم وہ جو نہ مانے مرہم کی   درد وہ جو کوئی دوا نہ سُنے
مشرقی تم جو عشق تم جو کر بیٹھے
اس کے احوال تم نے کیا نہ سُنے ●●

ہے مرا خطِ جبیں لوح و قلم سے پہلے
شجرۂ بُت کا نشاں بیتِ حرم سے پہلے

ناتواں ہوں کہیں پھر اٹھ نہ سکے رہیے
کیجئے آپ کرم مجھ پہ ستم سے پہلے

کیا مزا تجھ کو ملے طاعتِ حق سے زاہد
بہرہ اندوز تو ہو عشقِ صنم سے پہلے

بدگمانی کا ٹھکانہ بھی ہے اللہ اللہ
بات سنتے نہیں آغازِ قسم سے پہلے

ہم تو کہنے کو ہیں موجود مسیحا تم کو
اپنے کشتوں کو جلاؤ تو قدم سے پہلے

بے خودی سے مجھے کیوں کام نہ ہو اے زاہد
ساتھ لائے تھے یہی چیز عدم سے پہلے

آدمی محضِ عنایت کا کرشمہ دیکھے
مشتِ خاکی میں بھی عاشق کا پنپنا دیکھے

جلوۂ قدوس کا یہ خاک کا پُتلا دیکھے
اپنا مُنہ دیکھے بشر اور یہ تمنا دیکھے

دل میں بیٹھے ہیں مگر جھانکتے ہیں روزن سے
شوخیوں میں کوئی اندازِ حیا کا دیکھے

بن گئیں عارضِ تاباں کی شعاعیں چلمن
گو ہیں بے پردہ لبِ بام کوئی کیا دیکھے

مضطرب ہیں تپشِ داغ میں ارماں کے ہجوم
دل میں میرے کوئی محشر کا تماشا دیکھے

مشرقی کون ہے ہم نے جم و اسکندر سے
سینکڑوں کو درِ خرابات میں رسوا دیکھے

خواہشِ مرگ اگر ادا نہ سُنے
موت ہے پھر اگر قضا نہ سُنے

اس سے جاتے ہیں ہم گلہ کرنے
غیر کا جو کبھی گِلا نہ سُنے

نہ لگے زلف کی اسے بھی ہَوا
چُپ بھی رہ دل کہیں صبا نہ سُنے

زخم وہ جو نہ مانے مرہم کی
درد وہ جو کوئی دوا نہ سُنے

مشرقی عشق تم جو کر بیٹھے
اس کے احوال تم نے کیا نہ سُنے

چھیڑ ناصح نہ مجھے درد نہاں اٹھتا ہے　　اور بھی باتوں سے تیری خفقاں اٹھتا ہے
توڑ کر پاؤں بٹھایا ہے مجھے عشق نے یوں　　بیٹھ جاتا ہوں وہیں پاؤں جہاں اٹھتا ہے
سبز سیراب ہوں میں تشنہ لب بادہ رہوں　　ابر وہ جھوم کے اے پیر مغاں اٹھتا ہے
ہائے کیسا غم دلدار میں جی بیٹھ گیا　　درد بھی اب وہ مرے دل میں کہاں اٹھتا ہے

شہر میں خاک نہیں دشت بیاباں کو نہ پوچھ
میری تعظیم کو واں ریگ رواں اٹھتا ہے

عدم آباد کو جاتے تجھے ڈر کتنا ہے　　کچھ خبر بھی ہے کہ آباد ادھر کتنا ہے
ہستیٔ عمر کا اک سانس پہ ہے دار و مدار　　اور ہر سانس میں وقفہ ہے مگر کتنا ہے
قطرۂ عشق سے بدلیں نہ کبھی تیرے گدا　　ان کی آنکھوں میں بھی بے آب گہر کتنا ہے
جب بلا آتی ہے گھبرا کے چلی جاتی ہے　　وحشتوں کا بھی مرے گھر میں گزر کتنا ہے
میٹھا ہوتا جو ترے نیزے کا پھل کیا ہوتا　　تلخ ہونے پہ گوارا یہ ثمر کتنا ہے
آڑے آئے گا قیامت میں بھی اے زاہد خشک!　　کام کا دیکھ مرا دامن تر کتنا ہے
کس لئے وعدۂ فردا سے ہے اے دل بے چین　　جب کہ امید بندھی آٹھ پہر کتنا ہے
کچھ تو آسان شب ہجر ہو تو جھوٹ ہی بول　　باقی اب رات میں اے مرغ سحر کتنا ہے
تم ادھر جلوہ فگن شمع ادھر ہو روشن　　دیکھیں تو مجمع پروانہ کدھر کتنا ہے
توبہ کو توڑ کے پھر پہنچے خرابات میں ہم　　واہ زاہد تری باتوں میں اثر کتنا ہے

منشر فنی ملک عدم کی جو ہوس ہے تجھ کو
یہ تو کہہ پاس ترے زاد سفر کتنا ہے

گرچہ سامانِ اجل پیشِ نظر کتنا ہے　　غافلِ انجام سے اس پر بھی بشر کتنا ہے
کچھ خدا سے بھی تو ڈر چھپ کے نہ پی لے زاہد　　تجھ کو اے مردِ خدا خلق کا ڈر کتنا ہے
کل ہی دیدار سہی آج نہیں ہے نہ سہی　　تو بھی بے صبر بس اے دیدۂ تر کتنا ہے
کیا بتوں سے کبھی پالا بھی پڑا تھا زاہد　　تم کو العظمۃ اللہ حذر کتنا ہے
لاکھ دو لاکھ میں دو ایک سلامت نکلے　　کیا کہیں عشق کے رستے میں خطر کتنا ہے
تو بھی تو دیکھ کہ تیرے لیے اک مدت سے　　مجمعِ خلق سرِ راہ گذر کتنا ہے
ہائے امید تو کیا یاس بھی اب لائیں نہیں　　بے ترے کیا کہیں سنسان یہ گھر کتنا ہے
جیرِ پہلو بھی تو مقصد نہیں ہوتا حاصل　　کیا دکھائیں تمہیں ہم دردِ جگر کتنا ہے
دل گیا دین گیا عقل گئی جان گئی　　اک ترے عشق میں تو دیکھ ضرر کتنا ہے

مشرقی کو ہے ادب نشہ میں بھی ساقی کا
بے خبر ہو کے بھی یہ رند خبر کتنا ہے

کونین میں تو جلوہ تیرا ہی چھا رہا ہے　　ہے غیر کون جس سے تو منھ چھپا رہا ہے
محروم وصل ہو کر کس کا گلہ کروں میں　　اپنا وجود ہی جب فتنہ اٹھا رہا ہے
یارب ہے کیا تماشہ تعلیم نیستی میں　　جو ذرہ ایک عالم ہستی سے جا رہا ہے
دریائے اصل میں ہے ملنا ہمیں بھی مٹ کر　　کیوں اے حباب ہم کو آنکھیں دکھا رہا ہے

موجیں ہیں بحرِ جاں کی ایمان و کفران سے
کوئی ہے غرق کوئی ساحل پہ آ رہا ہے

اے بتو اس سے مدعا کیا ہے
یہ خموشی فتنہ زا کیا ہے

دل بھی افسردہ تم بھی آزردہ
کہو ناصح یہ ماجرا کیا ہے

کوئے قاتل میں کیوں ہجوم ہے آج
پھر نیا کوئی گل کھلا کیا ہے

وصل بعدِ وصال اس کے سوا
ان شہیدوں کا خوں بہا کیا ہے

نہ رہا اب دوا دعا میں اثر
چارۂ دردِ لا دوا کیا ہے

آج سنسان ہے کسی کی گلی
کون بتلائے ماجرا کیا ہے

دلِ ناداں تری حقیقت کیا
اور تیرا کیا دھرا کیا ہے

کسی حیرت زدہ کو کیا معلوم
غمزہ کیا ناز کیا ادا کیا ہے

نہ جگر کی نہ دل کی تاب اس سے
تیرے ناوک کا مدعا کیا ہے

اس کی رحمت کی آس ہے ورنہ
روزِ بخشش کا آسرا کیا ہے

سرِ بالیں کھڑے ہو کیوں حیراں
اے فرشتو تمہیں ہوا کیا ہے

کچھ اثر اس کا میں نہیں لیتا
کوئی کہہ دے برا بھلا کیا ہے

مجھ کو کچھ بھی زباں سے تو کہو
آرزو کیا ہے مدعا کیا ہے

جز حق نہ رہے جس میں وہی خانۂ دل ہے
اللہ رے کیا رفعتِ کاشانۂ دل ہے

کعبہ سے بڑھے بن کے وہ کاشانۂ دل ہے
بگڑے تو گھٹے دہر سے وہ خانۂ دل ہے

اللہ یہ کیا قسمتِ کاشانۂ دل ہے
کعبہ کبھی بت خانہ کبھی خانۂ دل ہے

کم معتکفِ کعبہ سے اس کو نہ سمجھنا
جو رند مقیمِ درِ مے خانۂ دل ہے

اک کعبہ نہیں عرش بھی ہے وجد میں رقصاں
اللہ رے کیا نغمۂ مستانۂ دل ہے

دیوانے ہیں جو دانشِ حسی کے ہیں پابند
ہشیاروں میں یکتا ہے جو دیوانۂ دل ہے

حقی و شناسا ہے جو ہے دل کا شناسا
بے گانہ ہے وہ حق سے جو بیگانۂ دل ہے

بے جان ہے وہ جس میں نہ ہو جلوۂ جاناں
ہے جان وہی دل میں جو جانانۂ دل ہے

بے شعلہ جو روشن ہے وہ ہے شمعِ رخِ یار
جلنے پہ ہو جو زندہ وہ پروانۂ دل ہے

آئینۂ اسکندر و پیمانۂ جمشید
آئینۂ دل ہے مرا پیمانۂ دل ہے

کونین کی قیمت سے حقیقت میں ہے بڑھ کر
کچھ چیز عجب گوہرِ یکدانۂ دل ہے

کچھ بھی نہ ہو جب دل میں تو ہے عکسِ دو عالم
آباد دو عالم سے بھی ویرانۂ دل ہے

دل لے کے مرا آپ جو ہو جاتے ہیں میرے
کونین کہاں لائقِ بیعانۂ دل ہے

بولے جو حسن مشرقیِ خستہ سے کچھ حال
طومارِ قیامت ترا افسانۂ دل ہے

ہر سانس تیری اے دل حسرت سے بھری کیوں ہے
خشکی ہے لبوں پر کیوں آنکھوں میں تری کیوں ہے

یہ مان لیا میں نے ہاں تجھ کو نہیں سودا
پھر نالۂ شب کیسا! آہِ سحری کیوں ہے

کس آئینۂ طلعت نے صورت تجھے دکھلا دی
ہے کس لئے یہ حیرت یہ بے خبری کیوں ہے

پہلو میں نہیں بیٹھا گر تیرِ نظر کوئی
آنکھوں سے ٹپکتا پھر خونِ جگری کیوں ہے

جیب دستِ جنوں میرا غم خوارِ سلامت ہے
پھر میرے گریباں میں یہ بخیہ گری کیوں ہے

اے مشرقیِ رسوا کی تو نے اگر توبہ
دامن پہ ترے اچھا پھر مئے کی تری کیوں ہے

●●

قتل میں میرے مری مشکل کی آسانی تو ہے
لیکن اس میں پھر مرے قاتل کی حیرانی تو ہے

تم زباں سے کچھ کہو لیکن تمہارے قلب پہ
عاشقی تجھ بندۂ بیدل کی پہچانی تو ہے

بے غمی پر بھی جہاں میں جی لگائے کوئی کیا
گو نہ ہو کچھ آخر اس منزل کی ویرانی تو ہے

قتلِ عاشق کا نہ ہو غم تم کو لیکن عشق کو
جان پیاری عاشقِ بسمل کی دکھلانی تو ہے

مشرقی کو غیر کی قسمت پہ کیوں غیرت نہ ہو
آخر اس کو آپ کی محفل کی دربانی تو ہے

●●

○

شوق کی جا یاس کا دل میں گذر ہونے کو ہے
جو خوشی کا گھر بنا تھا وہ اب غم کا گھر ہونے کو ہے

اب تو اسے بے درد ہے بیمار کا تیرے یہ حال
دردِ دل تو تھا ہی اب دردِ جگر ہونے کو ہے

اس خرامِ ناز سے مُردوں میں ہلچل پڑ گئی
حشر یارب وقت سے پیشتر ہونے کو ہے

اپنے از خود رفتہ کی کیا پوچھتے ہو تم خبر
اب تو وہ دونوں جہاں سے بے خبر ہونے کو ہے

مشرقی اب چارہ گیا جب سُن کے میری حالتیں
آپ ہی بیمار میرا چارہ گر ہونے کو ہے

●●

○

برہنہ جب تری تیغِ ادا نکلتی ہے
ترے قتیل سے بچ کر قضا نکلتی ہے

تجھی سے پیرِ مغاں دخترِ رز کی حُرمت ہے
کہ قحبہ آتی ہے اور پارسا نکلتی ہے

وہ گھٹ کے رہتی ہے اللہ رکھے مرا دل تنگ
کبھی جو اُس میں کوئی حسرت آ نکلتی ہے

تری خطا بھی ہو لاکھوں ثواب میں محسوب
مرے ثواب میں بھی سو خطا نکلتی ہے

نوائے شعر نہیں ہے یہ مشرقی ہرگز
شکستِ دل سے یہ میرے صدا نکلتی ہے

●●

○

نظر ان کو جو مرے زخم کے ٹانکے آئے
اور کھینچے ہوئے چلّہ کو کماں کے آئے

داغ پر داغ کلیجے پہ جو کھائے ہم نے
ہم کو کیا کیا نہ مزے دردِ نہاں کے آئے

آئے صحرا میں قدم بوسی کو اپنے چھالے
پیشوائی کو بگولے بھی وہاں کے آئے

یوں تو پھول آئے ہزاروں ہی چمن میں بلبل
سُننے والے بھی کہیں تیری فغاں کے آئے

ہم نے دل اور جگر جان کے پہلو میں رکھے
تیر پر تیر اگر ان کی کماں کے آئے

عرش سے آ کے فرشتوں نے کئے ان کے طواف
کعبہ خادم جو درِ پیرِ مغاں کے آئے

کھو گئے آپ تو پھر آپ نے پایا ان کو
بے نشانی میں مزے ہم کو نشاں کے آئے

کس غضب کا تھا شبِ وصل سحر کا کھٹکا
شور ہر سمت سے کانوں میں اذاں کے آئے

آن بان ایسی تھی مقتل میں ترے کشتوں کی
لبِ خنجر بھی پکارے ترے بانکے آئے

مشرقی تنگ گریباں سے گلہ تھا صد شکر
ہاتھ بڑھتے ہوئے اپنے خفقاں کے آئے

○

ذکر ان سے جو کبھی دردِ نہاں کے آئے
بولے منھ پھیر کے سچّے یہ کہاں کے آئے

جب کرشمے تری آنکھوں میں زباں کے آئے
کام آنسو بھی مرے، میری فغاں کے آئے

آپ پر ہم کو بھروسہ تھا مگر حضرتِ دل
آپ بھی دوست اسی دشمنِ جاں کے آئے

میری آہوں نے ہوا باندھی وہ ہنگامِ بہار
پھر گئی رُت نظر آثار خزاں کے آئے

جان سے بھی ہیں لطیف آئیں گے وہ فہم میں کیا
خواب میں بھی نہ کبھی وہم و گماں کے آئے

کیا ہی جاں بخش ہے اللہ رے بھٹی کی ہوا
ولولے شیخ میں مستِ جواں کے آئے

بڑھ گئی اور بھی وحشت ترے دیوانوں کی
لطف وہ دیکھ کے بھی باغِ جہاں کے آئے

توبہ کو توڑ کے میخانہ میں آئے زُہّاد
عید کی صبح کو بھوکے رمضاں کے آئے

فرطِ شادی سے ملے خاک میں سارے ارماں
ان کے پیغام بھی خواہاں مری جاں کے آئے

جاں فروشانِ محبت وہی گھاٹے میں رہے
وسوسے دل میں جنھیں سود و زیاں کے آئے

کیوں کشش کرتی ہیں باجوں کی صدائیں دل کو
ان میں کیا ڈھنگ ترے حسن و بیاں کے آئے

نقشِ پا کس کے یہ ہنستے ہیں گلوں کو بلبل
کیا قدم باغ میں اس سروِ رواں کے آئے

مشرقی بیجیے یاروں سے نہ اتنا اڑیے
پارسا مشفقِ من آپ کہاں سے آئے

●●

○

ہوا ہوں میں سبب رشکِ آسماں کے لئے
کہ بوسے میں نے ترے سنگِ آستاں کے لئے

بہار سے نہیں کم رتبہ کچھ خزاں کے لئے
کہ گل سے خار بھی زینت ہیں گلستاں کے لئے

زیادہ دام سے وسعت نہیں جہاں کے لئے
قفس سے کم نہیں کچھ جسم مرغِ جاں کے لئے

خلش ہے بخیۂ بستر میں سوئیوں کی سی
فراق میں ترے بیمار ناتواں کے لئے

نگاہِ شوق ہے کس دل کی فکر میں بے چین
تڑپ رہی ہے یہ بجلی کس آشیاں کے لئے

خیالِ حور میں واعظ حذر حسینوں سے
یقین چھوڑ کے بیٹھا ہے کیا گماں کے لئے

بجائے اشک ان آنکھوں سے گرتی ہے بجلی
کہاں سے آئی یہ سوزش دلِ تپاں کے لئے

بڑی بلا تھی محبت ہم اور کیا کرتے
نہ بنتے کافر اگر مرضیٔ بتاں کے لئے

کہیں سے نیند جو مل جائے مول ہی مجھ کو
تو تحفہ بھیج دوں میں ان کے پاسباں کے لئے

جو تجھ کو زخم کی تھی زخم کو نمک کی تھی چاٹ
مزے پہ ہم نے مزے خوب امتحاں کے لئے

جب اپنے کھونے سے ملتی ہے منزلِ مقصود
نشانِ راہ کہاں میرے کارواں کے لئے

چھپا کے منہ کو جو نکلے ہیں خانقاہ سے آپ
جنابِ شیخ ارادے ہیں اب کہاں کے لئے

اڑائیں رشک نے دامن کی دھجیاں میری
جب اس نے بڑھ کے قدم اس حسیں جواں کے لئے

غرض کہ چھوڑ کے چل میکدہ میں اے زاہد
نہ ہو خراب دِہ کعبہ میں جناں کے لئے

مرے فسانۂ غم کا تھا منفی یہ اثر
کہ میں نے کام عدو سے بھی رازداں کے لئے

○

رہِ حرم کے لئے کوچۂ بتاں کے لئے
نہ خاک اڑاتے پھرے ہم کہاں کہاں کے لئے

مٹایا ہم نے نشاں اپنا بے نشاں کے لئے
مکان پھونک دیا اپنا لامکاں کے لئے

نہ مئے کشی ہی وہاں ہے نہ صحبتِ خوباں
زمیں سے بڑھ کے نہیں لطف آسماں کے لئے

بجائے مغز ہیں شعلے بھرے ہوئے اس میں
نہ رنج اٹھائے ہما میرے استخواں کے لئے

انھیں کہاں ہے خبر جن کے دل ہیں پہلو میں
کہ دل خدا نے بنائے ہیں دلستاں کے لئے

دل و جگر جو مرے خون ہو کے بہہ نہ گئے
کروں گا نذر ترے خنجرِ وسناں کے لئے

لبوں میں آگ لگائی زباں کو پھونک دیا
یہ کتنے اثر مری آہِ شرر فشاں کے لئے

خدا کی شان جو کانوں پہ ہاتھ رکھتے تھے
ہیں تشائق آج وہی میری داستاں کے لئے

بھنویں تنی ہیں نواب جان بچ چکی میری
کھنچے ہیں پیچے دو ایک نیم جاں کے لئے

جو درد دل کے لئے درد کے لئے دل ہے
زباں فغاں کے لئے ہے فغاں زباں کے لئے

طریقِ عشق میں رہبر ہے اپنی خاموشی
جرس کا کام نہیں میرے کاروان کے لئے
زبانِ قتل سے پہلے وہ کاٹ لیتے ہیں
کہ منھ نہ کھولے کوئی حرف الاماں کے لئے

جو چیر لے نہ پہ بھی دردِ جگر نہ ہو باور
کہاں سے لاؤں یقیں تم سے بدگماں کے لئے
خراب و خستہ رہے آپ کا سا کون اے خضر
مریں گے ہم نہ کبھی عمرِ جاوداں کے لئے
دل و جگر ترے پیکاں کو کیوں رکھیں نہ عزیز
کہ رسم عام تواضع ہے میہماں کے لئے
یہ غزلیں ہیں نے کہیں مشرقی[1] بہ حکم خیال
وگرنہ فکر سے فرصت کہاں بیاں کے لئے

○

نہ آیا راہ پہ زاہد وگرنہ کوئی فکر
اٹھا نہ رکھی تھی اس بندۂ خدا کے لئے
اب اے فلک تجھے فتنے اٹھانے سے حاصل
کہ خاک چھان کے ہم بیٹھے مدعا کے لئے
ادائے اس کی وہ بازارِ موت گرم کیا
کہ ایک لحظہ بھی فرصت نہیں قضا کے لئے
ہمارا کفر تھا پردہ میں مشرقی ایمان
بتوں کے عشق میں ہم مرمٹے خدا کے لئے

---

[1] میرے خالہ زاد عزیز و بھائی مولوی ریاض حسن خاں رسولپوری سلمہ اللہ تخلص خیالی

روکا انہیں مگر کسی عنواں نہیں رہے — شب بھر بھی جو میرے گھر میں وہ مہماں نہیں رہے

اچھا ہوا جو نالوں سے تاثیر کچھ نہ کی — ہم زیرِ بارِ منتِ افغاں نہیں رہے

دل میں ہمارے آ نہیں اب غیر کے خیال — ہم لائقِ تصورِ جاناں نہیں رہے

یارب برا ہو ضعف کا ہاتھوں سے اس کی ہائے — ہاتھ اب سزائے گریباں نہیں رہے

آ کے بیٹھے جو کعبہ سے ہم پھر کسی کو کیا — دل کعبہ ہے بلا سے اگر واں نہیں رہے

روزِ فراق میں جو نہ آئی تو کیا ہوا
اے مرگِ ناگہاں ترے احساں نہیں رہے

میں روکتا تھا اور تم غیر ہی کے گھر بیٹھے — جو بات کرنی نہ تھی تم اسی کو کر بیٹھے

خلل یہ سچ ہے کہ خود گم کردہ را علاجے نیست — عدو کو شوخ کیا تم نے تب یہ سر بیٹھے

گلہ نہیں ہے مجھے تجھ سے آسماں ہرگز — دل اور دیدے مرے یہ فساد کر بیٹھے

نظر رقیب کی مجھ پر اور گفتگو ہم سے — مجھے یہ ڈر ہے کہ تہمت نہ مجھ پہ دھر بیٹھے

یہ جیسے دردِ جگر سے ہیں اس کے ناواقف
ہیں اسی طور سے صافی سے بے خبر بیٹھے

نامکمل غزلیاتِ مشرقی

نامکمّل غزلیات مشرقی

○

خدا رکھے مرے فصّاد کو قائم زمانے میں
مجھے کچھ زخم کا ڈر ہے نہ ہے انکار نشتر کا
کچھ ایسی مل گئی میرے دہانِ زخم کو لذّت
تقاضا اس کا ہر پل میں ہے سَو سَو بار نشتر کا
نہ کیوں کر خون کے فوّارے نکلیں چشمِ عاشق سے
کہ دل میں کام کرتی ہے نگاہِ یار نشتر کا

○

ہائے اس ترکِ ستم گار پہ آنا دل کا
جو کرے تاک کے تیروں سے نشانہ دل کا
کس کی دزدیدہ نگاہی نے چرایا یا رب
نہ جگر ہی کا پتہ ہے نہ ٹھکانہ دل کا
گردشِ چشم بھی ہے آپ کی کیا گردشِ چرخ
پھر گیا اس کے جو پھرتے ہی زمانہ دل کا

دل مرا توڑ کے پچھتائیے گا — آئینہ ایسا کہاں پائیے گا
ہم تو جاتے ہیں چلے ملکِ عدم — لب سے اعجاز تو فرمائیے گا
موردِ لطف نہ ہوں میں نہ سہی
غصّہ سے آنکھیں ہی دکھلائیے گا

رندوں کو کیا خیال ہو یارب ہراس کا — ہے آسرا ترے کرمِ بے قیاس کا
امید لے گئی تھی مجھے کوئے یار میں — پھر پھیر لائی ناس ہو کم بخت یاس کا
اے شیخ اس جواں سے ہوئے کیا دوچار تم
پنجہ جو بے حس و حرکت ہے حواس کا

عدم کا اہلِ فنا مجھ کو بھی پتا دینا — جو یاد ہو تو ذرا راہ بھی بتا دینا
اسی مکان میں مسکن ہے ایک عالم کا — ستم ہے رشک پہ دلبر کو دل میں جا دینا
بگاڑنا تری نیت میں تھا فلکؔ ورنہ
ضرور کیا تھا مجھے آدمی بنا دینا

وہاں تو تار بن کے لئے نگاہِ شوق رہ جاتا نقابِ چہرۂ جاناں کا کوئی تار اگر سرکا
بتا تو شیخ میرا اور تیرا ساتھ کیوں کر ہو کہ تو کعبہ کا راہی ہے تو بندہ کوئی دلبر کا

غمِ جاناں جو نہ ہوگا غمِ دوراں ہوگا مجھ پہ دشوار ہی ہوگا وہ جو آساں ہوگا
اور مجھ سا کوئی کیا کشتۂ حرماں ہوگا کہ مجھے قتل بھی کیجے گا تو احساں ہوگا

اِک ہے ایماں ترا زاہد کہ ہو کفر اس سے سیاہ
اِک مرا کفر کہ خالِ رخِ ایماں ہوگا

سادگی ہیں وہ تو ایسے ہیں کہ دیکھا ہی نہیں کیسے ہوتے جو بدن میں کہیں زیور ہوتا
میں سمجھتا کہ ملا تختِ سلیماں مجھ کو گر مرا کوئے خرابات میں بستر ہوتا

آئی خزاں بہارِ جوانی گزر گئی سارا نشاط ایک بڑھاپے نے کھو دیا
کی آہ کیا، کہ ڈوب گیا جی ہی مضطرب اک جھونکے نے جہاز ہمارا ڈبو دیا

○

دیکھئے کیا رنگ لاتی ہے یہ ان کی بے خودی
اپنی صورت آئینہ میں دیکھ شیدا ہو گیا
میں نہ کہتا تھا نہ جاؤ آئینہ خانہ میں تم
ایک ہی دم میں تمہارا حال کیا کیا ہو گیا

○

کیا پوچھتے ہو حال مرے رنج و عشق کا
کیا مشرقی کا حال کہوں اہلِ خانقاہ
میرے دل و جگر کا پتا بھی کہاں ہے اب
مسکن غریب کا دیرِ پیرِ مغاں ہے اب

○

کتنے خراب خستہ ہوئے تم سے پارسا
ذمہ شراب سن کے نہ میکش اُلجھ پڑیں
پوچھو نہ شیخ ہے وہ بُتِ نازنیں غضب
ایسا نہ کیجے حضرتِ واعظ کہیں غضب

○

کہیں نوبت آئے نہ یہ مری کہ بیانِ شوق ہو ہر گھڑی
نہ لیا کرو ایسی تو چٹکیاں مرے دل میں رازِ نہاں بہت

تجھے کچھ خبر بھی ہے یا نہیں کہ کھڑا ہے در پہ کوئی گدا
مجھے انتظارِ شراب ہے ہوئی دیر پیرِ مغاں بہت

جو ہے جان دینی ہی مشفقی تو اسی کا ڈر ہے ضرور کیا
ہے سرِ سبک مرے دوش پر تو ملیں گے سنگِ گراں بہت

○○

○

جب مرا عشق غلط آپ کی معشوقی کیا
میری منت جو محبت آپ کا بھی ناز عبث

وصل سے آپ کئے جایئے انکار مگر
غمزہ کہتا ہے یہ ہے آپ کا انداز عبث

○○

○

چہرہ سے اُس کے رشکِ گلستاں نظر ہے آج
کیا کہیے کس بہار کا داماں نظر ہے آج

مجھ کو وہ دیکھ دیکھ کے کہتے ہیں مشفقی
کس کی نظر لگی کہ پریشاں نظر ہے آج

○○

○

نہ ڈرا مجھ کو کہ ظاہر ہے نزاکت تیری
قتل کرنا تجھے لیکن ابھی تلوار تو کھینچ

کھینچنا کانٹے مرے تلووں سے پیچھے غمخوار
پہلے دل سے مرے شوقِ خلشِ خار تو کھینچ

●●

○

اس وقت کھلا شب درِ میخانہ جو تھا بند
لو اہلِ خرابات مبارک قدمِ صبح

کیا مشوقی اس خندۂ بے جا سے ہو حاصل
جب دم میں برابر ہو وجود و عدمِ صبح

●●

○

میں نے جب سوز سے سینہ میں نہاں کی دوزخ
کیا بگاڑے گی تنِ سوختہ جاں کی دوزخ

بندۂ عشق ہوں مجھ کو طمع و خوف نہ دو
شیخ جی کیسی بہشت اور کہاں کی دوزخ

آنچ رندوں پہ کب آ سکتی ہے پھر اے زاہد
صرف بھٹی میں ہو جب پیرِ مغاں کی دوزخ

●●

○

امید و بیم کو کیا میکدہ میں گنجائش
بہشت ہی نہیں جچتی نہ کچھ یہاں دوزخ

جو شعلے آہ کے دیکھے پھرا وہ غیرت حور
مرے مکاں کو اس نے کیا گماں دوزخ

○○

○

کل تک تو تھا نفاق کے بندے تھے شیخ جی
حضرت کا آج کیوں سوئے دیر مغاں ہے رُخ

کعبہ کی سمت سجدہ تو بت خانہ کا خیال
دل مشرقی کہاں ہے تمہارا کہاں ہے رُخ

○○

○

تیرے آتے ہی چمن کی ساری رونق مٹ گئی
تیرے جلوہ نے کیا تاراج سامانِ بہار

ہر گلی کوچہ میں فرشِ سبز مخمل بچھ گیا
وقف ہے ہر شیخ و شاب و طفل بر خوان بہار

○○

تابشِ حسن کی جھلک دیکھی جب اس نقاب پر
کھڑے ہیں چھپ گیا وہ اوس پڑ گئی آفتاب پر
ہوتے جو بے حجاب وہ دیکھتا کون پھر انہیں
آنکھ نہیں ٹھہرتی جب سینکڑوں ہی حجاب پر

••

کیا کریں گے پھر اسے گبر و مسلماں دیکھ کر
وہ جو دل لینا بھی ہے تو کفر و ایماں دیکھ کر
مشرقی جس کو تھا اک ہنسنے ہنسانے ہی سے کام
رو دیئے بے ساختہ ہم اس کو گریاں دیکھ کر

••

نہ پری ہیں نہ فرشتے ہیں یہ دیکھا انداز
تم نے پایا ہے زمانے سے نرالا انداز
قابلِ رشک ہے وہ جس کا ہو قاتل وہ حسیں
جس کا نانا اچھا، ادا اچھی، ہو اچھا انداز
کہیں خوبی جسے سب ہے وہ تمہاری خوبی
جس کو انداز کہیں، ہے وہ تمہارا انداز

••

پتھر سے رکھ کے کوٹ رہا ہوں میں سل پہ دل
یارب کبھی نہ آئے کسی سنگِ دل پہ دل
گر خواہش ہو تو روشنیِ جاں طلب کرے
بھولا ہوا ہے تیرگیِ آب و گِل پہ دل

●●

پہلے تو پھول تھا یہ نظر کس کی لگ گئی
اب ہو رہا ہے کیوں مرے پہلو میں خارِ دل
جلتا ہوا سا ہے کہ تڑپتا ہے دیکھنا
جوڑے میں پھول ہے کہ مرا داغدار دل

●●

دیکھیں خطِ جبیں میں ہے کیا آج ہم نشیں
جاتے ہیں کوئے یار میں پائے جبیں سے ہم
ہم جانتے ہیں قاصدِ فرخندہ حال ہے
آتے جو دیکھتے ہیں کسی کو کہیں سے ہم

●●

طلوعِ مہر ابھی تک ہوا نہیں کیا ہے
ہمارا ماہ تو بیٹھا بروئے بام نہیں
زباں تو ہے ہمیں آخر جو کچھ کہو تو کہیں
ہمارے دل کے نہ ہونے میں کچھ کلام نہیں

●●

ہاں دیکھ کے چل ہو نہ گرفتارِ بلا میں
الجھیں نہ ترے پاؤں کہیں زلفِ رسا میں
جب یاد دلاتی ہیں انھیں کاکلِ جاناں
ظلمت میں بھی اک نور ہیں عشّاق کی شامیں

●●

معشوق دمی سے جب ہوئے واقف ہمیں نہیں — پرہیزگار لائقِ خُلدِ بریں نہیں
ناصح نہ پوچھ مجھ سے کچھ اپنے بیاں کا وصف — اچھی ہے تیری بات مگر دل نشیں نہیں
تیری نصیحتوں کو تو واعظ سُنوں مگر
بے مے کے آج خوش دلِ اندوہگیں نہیں

••

لگا کر تیر جراحت کو دیکھنے کے لئے — وہ چیر کر مرا پہلو جگر کو دیکھتے ہیں
خدا ہی خیر کرے کیا جواب لایا ہے — کہ لب سئے ہوئے ہم نامہ بر کو دیکھتے ہیں

••

لب سے باہر ہم نفس رازِ نہاں ہوتا نہیں
میں تو کہنے کو کہوں لیکن بیاں ہوتا نہیں
اس طرح خوگر ہوا غم کا دلِ غم گیں مرا
جی نہیں لگتا مرا کچھ غم جہاں ہوتا نہیں

••

○

نہ یہ کمخواب میں خوبی ہے نہ یہ لطف مخمل میں
کہ میرا اوڑھنا ہے اور بچھونا ایک کمبل میں
یہیں وعدہ وفا ہو جائے محشر کا ٹھکانا کیا
کوئی کیا خاک پوچھے گا کسی کو ایسی ہلچل میں

●●

○

ستارے نہ ٹوٹیں کہیں غم کے مارے　　وہ بے طور افشاں جمائے ہوئے ہیں
بگاڑیں گے وہ سیکڑوں خانۂ دل　　جو بیہودہ زلفیں بنائے ہوئے ہیں
نہیں ابروؤں پر ہے ان کے پسینہ
یہ خنجر پہ پانی چڑھائے ہوئے ہیں

●●

سیر ہو چاندنی شب ہو لبِ دریا بھی ہو
ساتھ ہو رشکِ قمر کشتی، صہبا بھی ہو
عاشقی میں ہیں، جبھی دشت نوردی کے مزے
آبلے پاؤں میں ہوں راہ میں کانٹا بھی ہو
وہ تو بے پردہ ہوا ہے حضرتِ موسیٰ لیکن
اس کے جلوے کا کوئی دیکھنے والا بھی ہو

بیتاب تم نہ ہو کہ عدو کی قضا نہ ہو
ہم آہ ضبط اگر نہ کریں کیا سے کیا نہ ہو
ملتا ہے اس سے خلق میں مجھ کو ترا پتا
میرا دلِ شکستہ ترا نقشِ پا نہ ہو
حج کو چلے ہیں مشرقی رند دیکھنا
میخانہ ہو کے کعبہ کا رستہ گیا نہ ہو

خود ہوا کوئے خرابات کی کھا کر بہکے
آئے تھے حضرتِ واعظ مرے بہکانے کو

دیکھ کر سوکھ گئے آہِ شرر بار مری
سمجھے ناصح کوئی دوزخ مرے غم خانے کو

روکتا کون ہے پھر ہمیں سے سو رہنا تم
سن تو لو کان لگا کر مرے افسانے کو

سینہ میں میں نے اُس بتِ کافر کو جگہ دی
پھٹتی ہے شیخ کس لئے چھاتی جناب کی

واحسرتا کہ طالبِ روئے سیاہ ہیں
پیری کے وقت جن کو ہوس ہے خضاب کی

شاد ہوتا ہوں دیکھ کر گل کو
اس میں تیری ہی خوش ادائی ہے

آشنائے وطن پھرے مجھ سے
اب تو کانٹوں سے آشنائی ہے

چاک تو جیب ہو چکے سارے
اب تو داماں کی نوبت آئی ہے

دوسروں کو وہ بھلا ذہن میں کب لاتا ہے
جو کہ بھولا ہوا خود اپنی ہی تصویر میں ہے
باتیں کرتا ہے اُلجھ کر وہ لڑکپن کے سبب
کیا مزا ہائے یہ الجھی ہوئی تقریر میں ہے
کوچہ گردی کے تو رسوائی سے میں باز رہا
لطف کیا خوب گراں باری زنجیر میں ہے

اٹھائی تو نے جو تلوار تو لگا ہی دے   یہ کیوں ڈراتا ہے مجھ کو تو امتحاں کے لئے
میں کچھ کہوں وہ گماں دوسرا ہی کرتے ہیں   کروں میں دفع کی تدبیر کیا گماں کے لئے
جو نیستی ہے تو کیوں خضر کی طرح میں ہوں
نہیں ہے فائدہ کچھ عمرِ جاوداں کے لئے

یہ ہے کب آئینہ کا منھ تیرے مقابل آسکے
تیری چمک کی تاب جب ذرّہ نہ خود لا سکے
وہ دے پیالہ ساقیا نشہ ہو جس کا عقل سوز
وہ بھی نہ آ کے جا سکے، یہ بھی نہ جا کے آ سکے
وہ تو بہارِ حُسن ہے تو ہی وہ سرو ناز ہے
دونوں جہاں میں صبا بو کو نہ جس کے پا سکے

واعظ تمہیں قرآن پر ایمان نہیں ہے — جس سے نہ ہو توقیر وہ انسان نہیں ہے
کم بخت اجل نے مجھے شرمندہ کیا ہائے — وہ مانگتے ہیں مجھ میں ذرا جان نہیں ہے
کعبہ کو منہ دھارے تو نہیں مشرقیِ رند
اگلا سا وہ میخانہ میں سامان نہیں ہے

تم دیکھتے ہی زاہد کیوں ڈر سے بھاگ نکلے
کیا موجِ مے بھی کوئی تلوار ہو رہی ہے

اے گُل بغیر تیرے سُنبل ہوئی پریشاں
نرگس بھی مدتوں سے بیمار ہو رہی ہے

کیا آج پی گئے ہو کچھ مشروقی زیادہ
جو نشّہ سے طبیعت سرشار ہو رہی ہے

کعبہ جاتے تھے سرِ راہِ بتاں بیٹھ گئے
ہائے جاتے تھے کہاں اور کہاں بیٹھ گئے

چھوڑ کر کوئے خرابات کہاں جائیں گے
اب تو اٹھنے کے نہیں رند جہاں بیٹھ گئے

بدنام نہ فرمائیں گے رسوا نہ کریں گے
ہم بس میں ہیں ان کے تو وہ کیا کیا نہ کریں گے

اے پیرِ مغاں کعبہ سے ہم آئے ہیں بدنام
توبہ ہے کہ اب سے کبھی توبہ نہ کریں گے

○

کیا پڑا ہے اے مسافر اُٹھ کہیں جانا بھی ہے
سر پہ خورشید آگیا یہ کوئی سستانا بھی ہے
میں نے دیکھا مشرقیؔ کو تو بہت آشفتہ حال
وہ اگر ہشیار بھی ہے کچھ تو دیوانا بھی ہے

کتابیات

(۱) آبِ حیات — مصنف — محمد حسین آزاد

(۲) آثارِ شرف — " — قاضی سید محمد نور الحسنین

(۳) اردوئے قدیم — " — حکیم شمس اللہ قادری

(۴) اردو نثر کا آغاز و ارتقاء — " — ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ

(۵) انوارِ ولایت — " — شاہ عبد القادر اسلام پوری

(۶) اردو کی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام — " — مولوی عبد الحق

(۷) الشرف — " — ڈاکٹر محمد طیب ابدالی

(۸) بہار اور اردو شاعری — " — پروفیسر معین الدین دردائی

(۹) بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقاء — " — ڈاکٹر اختر اورینوی

(۱۰) بہار میں اردو شاعری کا ارتقاء (غیر مطبوعہ) — " — ڈاکٹر کلیم عاجز (پٹنہ یونیورسٹی لائبریری، پٹنہ)

(۱۱) تاریخ مشائخ چشت — " — خلیق نظامی

(۱۲) تاریخ مگدھ — " — فصیح الدین بلخی

(۱۳) تاریخ شعرائے بہار حصہ اول — " — عزیز الدین بلخی راز

(۱۴) تاریخ ادب اردو حصہ اول — " — ڈاکٹر جمیل جالبی

(۱۵) تذکرہ مسلم شعرائے بہار حصہ اول تا پنجم	مصنفہ	حکیم سید احمد اللہ ندوی
(۱۶) جادۂ عرفان حصہ اول	"	ڈاکٹر محمد طیب ابدالی
(۱۷) خمخانۂ جاوید جلد دوم	"	لالہ سری رام
(۱۸) دلّی کا دبستان شاعری	"	ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی
(۱۹) داستان تاریخ اردو	"	حامد حسن قادری
(۲۰) حضرت صوفی منیری کے نثری کارنامے	"	ڈاکٹر محمد طیب ابدالی
(۲۱) صوفی منیری حیات شاعری	"	ڈاکٹر خالد رشید صبا
(۲۲) عظیم آباد کا ایک یادگار مشاعرہ	"	ڈاکٹر یوسف خورشیدی
(۲۳) فارسی کلیات مشرقی (غیر مطبوعہ)	"	مشرقی منیری
(۲۴) کتاب الانساب	مرتبہ	حضرت شاہ عبدالقادر ابدالی اسلامپوری
(۲۵) کرسی نامہ قدیم	مصنفہ	حضرت شاہ لطف علی منیری
(۲۶) کلیات عطا بہاری (غیر مطبوعہ)	"	شاہ عطا کریم عطا بہاری
(۲۷) کنز الانساب	"	کبیر الدین
(۲۸) لکھنؤ کا دبستان شاعری	"	ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی
(۲۹) مومن اور مطالعہ مومن	"	ڈاکٹر عبادت بریلوی
(۳۰) مطالعہ ولی	"	ڈاکٹر شارب ردولوی

DEEWAN

HAZRAT MUSHRAQUEE MANERI

By

Dr. ABU OBAIDA ABDALI